لائقِ سینسر

نوید ظفر کیانی

بسم الله الرحمن الرحيم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

لائقِ سینسر

مجموعۂ کلام

(طنز و مزاح)

نوید ظفر کیانی

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام
https://archive.org/details/@nzkiani
nzkiani@gmail.com

انتساب

قیدی نمبر آٹھ سو چار
کے نام
جس نے اِس اسیر قوم کی
آزادی کے لئے
اپنی آزادی کو
گروی رکھا ہوا ہے

نکل نہ پایا تھا بھٹو تو کل کسی گھر سے
ہمارے دور میں عمران کچھ زیادہ ہیں

سب شہکار فسانے ہیں
جو لائق سینسر کے ہیں

کیا کیا کہاں

۱ پیشرس ۱۳
۲ پوچھا اُنہوں نے ’’یار تمہارے مزے میں ہیں؟‘‘ ۱۶
۳ ۔۔۔اور یہ جوتا چور (قطعہ) ۲۱
۴ سلیکشن کی واحد صورت (قطعہ) ۲۱
۵ بیمار ہوں میں تیرا، مری جان چارہ گر! ۲۲
۶ جس طرف آنکھ اٹھاؤں وہی تصویراں ہے (پیروڈی) ۲۴
۷ کس قدر لادینیت میں مبتلا ہے حُسنِ ناز ۲۵
۸ دو رُباعیاں ۲۷
۹ روز جائے کون ۲۸
۱۰ جھوٹا (لمرک) ۳۰
۱۱ گیدڑ کو لے لے دوش پہ اور شیر شیر کر ۳۱
۱۲ لگا ہے مصر کا بازار دیکھو! (پیروڈی) ۳۳
۱۳ آزاد غزل ۳۵
۱۴ دو رُباعیاں ۳۷

۱۵ گھرداری کے کولہوں میں ہم گھومیں طوہاً کرہاً ۳۸
۱۶ رہے اجداد میں ایسے تو ان کے بعد بھی ہوں گے ۴۰
۱۷ اسکور کیا ہے؟ ۴۲
۱۸ وبائی مرض ۴۲
۱۹ میں بھی ہوں لمڈھینگ سا، وہ بھی زرافی سا ہے کچھ ۴۳
۲۰ فلیش بیک (نظم) ۴۵
۲۱ کھینچتے ہو کس لئے بیکار پونچھ ۴۸
۲۲ دوُرباعیاں ۵۱
۲۳ اب ہیر سے رانجھے کا مفر یونہی نہیں ہے ۵۲
۲۴ شافی نسخہ (لمرک) ۵۴
۲۵ کر کے میکپ وہ ذرا ’’کول‘‘ بھی ہو سکتا ہے (پیروڈی) ۵۵
۲۶ یوں اپنی ساری ہی الجھنوں کو پچھاڑ رکھنا ۵۶
۲۷ کرکٹائزڈ آوارگی (قطعہ) ۵۸
۲۸ کرکٹ بائے چانس (قطعہ) ۵۸
۲۹ محبوب بنتے بنتے وہ ظاہر سے ہو گئے ۵۹
۳۰ مہنگائی سے دِل ہوش بدر یونہی نہیں ہے ۶۱
۳۱ دوُرباعیاں ۶۳
۳۲ جب غلط لوگوں کو تم کر بیٹھے ہونگا غلط ۶۴

۳۳ منہ کھولتے ہیں اپنے ہی کھودے ہوئے پلیز (پیروڈی) ۶۷
۳۴ حجاب کرلیا، لالوں کی آبرو رکھ لی ۶۸
۳۵ شریر کیچ (قطعہ) ۷۰
۳۶ نو بال (قطعہ) ۷۰
۳۷ حسیناؤں پہ دوڑانے لگا تھا تار ”پرچونی“ ۷۱
۳۸ دو رُباعیاں ۷۳
۳۹ ناپائیدار کیسے نہ ہو پیار آج کا ۷۴
۴۰ ریاض (نظم) ۷۷
۴۱ سسروں میں جانگلوس کا بیڑہ ہی غرق ہے ۸۰
۴۲ خلائی مخلوق (لمرک) ۸۳
۴۳ رونقِ ہستی کا کیسا حل نکالا اِک عدد ۸۴
۴۴ اندھا کہیں کا (قطعہ) ۸۷
۴۵ عدلِ ایمپائری (قطعہ) ۸۷
۴۶ قوم کے حق میں ہیں دَد، بصد شدومد ۸۸
۴۷ وائے قسمت (لمرک) ۹۰
۴۸ ہر کہانی بولڈ سی ہے، پڑ گئی ہے دل میں ٹھنڈ ۹۱
۴۹ دو رُباعیاں ۹۳
۵۰ پیار سے اس نے کبھی فدوی کو دیکھا بھی نہیں ۹۴

۵۱ کس طرف گم ہوگئی ہے جا کے ٹنڈ ۹۶

۵۲ گُتّے (قطعہ) ۹۹

۵۳ ہم کو کیا (قطعہ) ۹۹

۵۴ عاشق حسنِ تر کے ہیں ۱۰۰

۵۵ کوئی ٹرک کی بتی دکھاتا ہے پر جانے کون دکھاتا ہے (پیروڈی) ۱۰۲

۵۶ نیک خو! ۱۰۴

۵۷ دو رُباعیاں ۱۰۶

۵۸ پُلس تھانے کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے ۱۰۷

۵۹ پارٹی پیٹرن (لمرک) ۱۱۰

۶۰ ہوتا ہے ایسے کوئی پشیمان شاذ شاذ ۱۱۱

۶۱ گلی کے سگے (قطعہ) ۱۱۳

۶۲ ہزاروں خواہشیں ایسی۔۔۔ (قطعہ) ۱۱۳

۶۳ کیا کہوں جب وہ مجھ سے پوچھے، دس! میں نے کیا کھویا۔۔۔ ۱۱۴

۶۴ او، گُڑی تو نے ہر قدم پہ مجھے! (پیروڈی) ۱۱۶

۶۵ دو رُباعیاں ۱۱۸

۶۶ کام آئی کوئے یار میں پی آر شاذ شاذ ۱۱۹

۶۷ وکٹ کیپر (قطعہ) ۱۲۲

۶۸ عشقِ نو (قطعہ) ۱۲۲

۶۹ بگولہ لے اڑا میری غزل میں مبتلا کا غذ ۱۲۳
۷۰ چین اِک پل نہیں (پیروڈی) ۱۲۵
۷۱ کُٹ اُسے لگنی ہے کل کون سی تھاں، دیکھ لیا ۱۲۶
۷۲ دو رُباعیاں ۱۲۸
۷۳ ظاہراً پیار کے بول ہونے لگیں ۱۲۹
۷۴ ڈک (قطعہ) ۱۳۳
۷۵ شرطِ فتوحات (قطعہ) ۱۳۳
۷۶ ٹھینگا ٹاکنگ شو تھا جس میں تو تو میں میں تھی ہی نہیں ۱۳۴
۷۷ دو رُباعیاں ۱۳۶
۷۸ اِس قدر رات گئے کون ملاقاتی ہے (پیروڈی) ۱۳۷
۷۹ وصلِ جاناں ہے ڈنر کا ماخذ ۱۳۸
۸۰ تنبیہہ (لمرک) ۱۴۰
۸۱ گلے پڑا جو کوئی عشوہ ساز یا استاذ ۱۴۱
۸۲ ٹوٹا میرے کھیسے میں کوئی تھا، اُسے کہنا (پیروڈی) ۱۴۳
۸۳ باعثِ خیر ہے اگر تعویذ ۱۴۴
۸۴ ٹاک شو (قطعہ) ۱۴۷
۸۵ پرانی کار (قطعہ) ۱۴۷
۸۶ شہر کو بچا (نظم) ۱۴۸

۸۷ ہنگامی صورتِ حال (لمرک) ۱۵۱
۸۸ تیرا کتا تو تندخو ہے وہی ۱۵۲
۸۹ آج یہ کس کو نظر کے سامنے پاتا ہوں میں (پیروڈی) ۱۵۴
۹۰ عشق کی لات (قطعہ) ۱۵۵
۹۱ تعلیمِ نسواں کا افادہ (قطعہ) ۱۵۵
۹۲ آنکھیں دِکھلا کر معزز کب تلک بن پائے ژوژ ۱۵۶
۹۳ دو رُباعیاں ۱۵۸
۹۴ دوستوں کے آنے جانے کے لئے آتی ہے عید ۱۵۹
۹۵ عزم (قطعہ) ۱۶۲
۹۶ آزاد/آوارہ کتے (قطعہ) ۱۶۲
۹۷ بوٹوں میں دھمال ہیں دھم دھم کے (پیروڈی) ۱۶۳
۹۸ ہوشیار باش (لمرک) ۱۶۵
۹۹ جنھوں نے فیض نہ پایا محلہ داریوں سے بھی ۱۶۶
۱۰۰ دو رُباعیاں ۱۶۸
۱۰۱ کبھی کبھی تو حیا کرو (پیروڈی) ۱۶۹
۱۰۲ ویگو پر پھرتا ہے وڈیرا تیرا میرا ۱۷۱
۱۰۳ رشتوں والی باجی (قطعہ) ۱۷۴
۱۰۴ ایتھلیٹ کتے (قطعہ) ۱۷۴

۱۰۵ خاک بٹائیں تیرا بوجھ ۱۷۵
۱۰۶ دو رُباعیاں ۱۷۷
۱۰۷ دہی اور دھوکہ دہی (لمرک) ۱۷۸
۱۰۸ غم بھلانا ہو تو پھر غمخوار سے کیجے رجوع ۱۷۹
۱۰۹ دو رُباعیاں ۱۸۱
۱۱۰ آپ نے کیسے بندے اپنے گارڈ بٹھائے گڑبڑ گڑبڑ ۱۸۲
۱۱۱ میں ٹھرکی ہوں، مرے ارمان کچھ زیادہ ہیں ۱۸۴
۱۱۲ جیسے ساری دنیا میں ہوتا ہے تگڑم کا نفاذ ۱۸۶
۱۱۳ ترجیحات (لمرک) ۱۸۹
۱۱۴ حسن ہے آلو بخارے کی مثال ۱۹۰
۱۱۵ نامعلوم (نظم) ۱۹۲
۱۱۶ بند اُس کی بولتی ہے، یہ تاثیرِ نطق ہے ۱۹۵
۱۱۷ اعداء کو دھڑم کرنا، اللہ کرم کرنا ۱۹۸
۱۱۸ بھاشن (قطعہ) ۲۰۰

پیش رس

قوم کی سالمیت کا ٹائیٹینک سائفر کے سرد مہر تودے سے ٹکرانے اور نومئی کے ڈرامے سے چکرانے کے بعد بُری طرح ڈانوڈول ہو رہا ہے اور اس کے مقامی سہولت کار اپنے ذاتی مفاد کی چکی میں قوم کو پیستے ہوئے بغلیں بجائے چلے جا رہے ہیں۔ اِس مملکتِ خداداد کے روزِ آفرینش سے مالک ومختار پاک خلائی مخلوق اپنی عدیم النظیر ”نیوٹرل ازم“ کا مظاہرہ کرتے ہوئے جا بجا رقصِ برہنہ کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ قوم سیاسی وسماجی طور پر کلی طرح بے چہرہ ہو چکی ہے۔ ہماری آزادی کا واحد سہارا، ہماری معیشت کا یہ عالم ہے کہ خرگوش کی سی رفتار کے ساتھ ترقئ معکوس پر قلانچیں بھرے جا رہی ہے۔ غریب خاک نشین اور امیر عفریت ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ سیاسی رنگ باز جو اِس قوم کو ایشیائی ٹائیگر بنانے چلے تھے، دنیا کے بجو بنانے کے لئے اسٹیبلشمنٹ کے کاندھوں پر سوار ہو کر دوبارہ اِس مسکین قوم پر بُرے وقت کی ٹوٹ پڑنے کے لئے پر تول رہے ہیں، ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ بقولِ احمد ندیم قاسمی ؎

مسکراتا ہے جو اِس عالم میں
بخدا مجھ کو خدا لگتا ہے

اب ایسے حالات میں طنز و مزاح بظاہر اپنے پڑھنے والے کا منہ چڑاتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی لگتا ہے جیسے کوئی کسی جنازے پر قہقہہ لگا دے یا کسی گمبھیر موقع پر کوئی جگت جھاڑ دے، لیکن جیسے عمران خان نے اس نظام کے خداؤں کے پلے کچھ نہیں رہنے دیا، ویسے ہی موجودہ حقیقی حکمرانوں کے جبر و استبداد نے اُن معصوموں کا کچھ نہیں رہنے دیا جو با آوازِ بلند کہنا چاہ رہے ہیں کہ بادشاہ سلامت، آپ ننگے ہیں۔

پورے پاکستان میں ہر ایسی آواز کا گلا گھونٹا جا رہا ہے جس میں رتی بھر بھی سچائی کی رمق نظر آئے، بلکہ ایسی آواز والوں کا ہی گلا گھونٹ دیا جاتا ہے جو کسی بھی طور سچ کی علامت بن جاتے ہیں۔ بقول شخصے "عسکریت نے اکثریت کی بینڈ بجائی ہوئی ہے۔" ارشد شریف، عمران ریاض خان سمیت اَن گنت ایسے لکھنے والے اور بولنے والے ہیں جنہیں ہمارے ہی ٹیکسوں سے بنائے گئے ذرائع کو استعمال کر کے ترغیب و ترہیب سے خاموش کیا جا رہا ہے اور خونخواری کے اِس جمود کے پگلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ہے، حتیٰ کہ ہمارے ملک کے وہ ادارے جو انصاف کی فراہمی کے کام کیلئے مختص ہیں وہ بھی اِن مذموم قوتوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں اور فضا کو مسموم سے مسموم تر بنانے میں اپنا مکروہ کردار ادا کر رہے ہیں۔ خصوصاً عدلیہ کا کردار اِس ضمن میں ناقابل یقین حد تک کریہہ ہے۔ جنہوں نے اپنے فیصلوں میں بولنا تھا، وہ مختلف جگہوں پر کیٹ واک میں مصروف ہیں۔

کچھ لوگ طبعاً طنز و مزاح لکھنے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ضرورتاً ایسا کر رہے ہیں۔ شکر دان میں نمک بلکہ مرچیں ڈال کر لوگوں کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں تا کہ جو

غیر جانبداریت کا خول خلائی مخلوق نے منڈھ رکھا ہے، وہ وہی خول اپنے ارمغانِ سخن کو پہنا کر اپنے ہنر کے تقاضوں سے عہدہ برا ہو سکے۔

میری اِس کاوش کا مقصد بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ میں اپنے دور کی ایک تصویری جھلک آپ کی خدمت میں پیش کر سکوں، جو میں اپنے مخصوص طبعی میلان کے مطابق آپ تک پہنچا رہا ہوں۔ اگرچہ میری اِس کاوش میں کوئی انقلابی قسم کی شاعری نہیں ہے لیکن پھر بھی اِس وقت وطن پاک جس "نازک موڑ" سے گزر رہا ہے (جو بدقسمتی سے ۱۹۴۷ء سے گزر رہا ہے)، اُس کی تصویر کشی کرنے کی کسی حد تک کوشش ضرور کی ہے:

گر قبول افتد زہے عز و شرف

میں اِس کتاب کو قیدی نمبر آٹھ سو چار کے ساتھ ساتھ اُن تمام سیاسی و سماجی و صحافی مجاہدین کے نام کرتا ہوں جو ایسے ناموافق حالات میں بھی بھرپور مزاحمت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور ایک نئی صبح کا راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

نوید ظفر کیانی

اِسلام آباد

۱۰ جنوری ۲۰۲۴ء

مکالماتی غزل

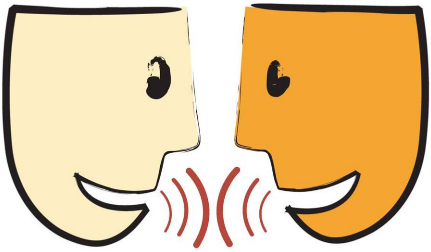

پوچھا اُنہوں نے ”یار تمہارے مزے میں ہیں؟“
میں نے کہا کہ جی، عدو سارے مزے میں ہیں!

بولا اُنہوں نے ”حزبِ مخالف کی کچھ کہو؟“
میں نے کہا کہ سب کے حرارے مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ”شادی شدو! اب سکون ہے؟“
میں نے کہا کہ واللہ! کنوارے مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ”کیسا گرانی میں حال ہے؟“
میں نے کہا ”جو رب کو ہیں پیارے، مزے میں ہیں!“

پوچھا اُنہوں نے ”کتنا چکن ہو گیا گراں؟“
میں نے کہا کہ دال بگھارے مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ”دورِ کرونا میں خیر ہے؟“
میں نے کہا ”چڑھا کے خسارے، مزے میں ہیں!“

بولا اُنہوں نے ”حسنِ جواں کی سناؤ کچھ؟“
میں نے کہا کہ آلو بخارے مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ”آپ کے بھائی تو ٹھیک ہیں؟“
میں نے کہا کہ وہ ہیں ہراآرے، مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ”جاب ملی کہ نہیں، میاں؟“
میں نے کہا کہ پاؤں پسارے، مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ”اہلِ سیاست پہ تبصرہ؟“
میں نے کہا کہ سب کے ستارے، مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ”زوجہ کے تیور تو ٹھیک ہیں؟“
میں نے کہا کہ پھر ہیں ”اچارے“، مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ”کیسے ہیں حالات خانگی؟“
میں نے کہا کہ میکے سدھارے مزے میں ہیں!

بولا اُنہوں نے ”جینا ہے اس دور میں محال؟“
میں نے کہا ”حکومت کے پیارے مزے میں ہیں!“

پوچھا اُنہوں نے ”لوٹوں کو کیا فائدہ ہوا؟“
میں نے کہا کہ کوئی بھی ہارے، مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ”ٹھیک ہیں ایف بی کے دہریئے؟“
میں نے کہا ”خدا کے سہارے مزے میں ہیں!“

پوچھا اُنہوں نے ”قیس سا مریل ہے ملک کیوں؟“
میں نے کہا ”بظاہر ادارے مزے میں ہیں!“

پوچھا اُنہوں نے ''قوم کے قزاق کیا ہوئے؟''
میں نے کہا کہ کھا کے ہلارے مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ''اُن کے چھوہارے ہیں کیوں delay؟''
میں نے کہا کہ کھا کے چھوہارے مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ''قوم کا احوالِ واقعی؟''
میں نے کہا کہ ''سام کے چارے'' مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ''طفل کو بھیجیں نہ کیا سکول؟''
میں نے کہا کہ چھوڑیں، بیچارے مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ''وصل کا امکان ہے کوئی؟''
میں نے کہا کہ دے کے وہ لارے مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ''شہر میں گرمی ہے کس قدر؟''
میں نے کہا کہ ہم ہیں ہزارے، مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ”زوجہ گئی ہوں گی پارلر؟“
میں نے کہا کہ تھوپ کے گارے، مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ”آپ کے استاد خوش تو ہیں؟“
میں نے کہا ”نصیبوں کے مارے“ مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ”کیسے حکومت کے ہیں وزیر؟“
میں نے کہا کہ ”خان کے آرے“ مزے میں ہیں!

پوچھا اُنہوں نے ”کون مزے میں نہیں یہاں؟“
میں نے کہا کہ سارے کے سارے مزے میں ہیں!“

پوچھا اُنہوں نے ”کتنے مزے میں ہے دوستا؟“
میں نے کہا کہ جتنے اُدھارے مزے میں ہیں!“

۔۔۔اور یہ جوتا چور

عبادت میں اگر شامل رہے گی فکر جوتوں کی
بھلا ایسے میں کیسے سجدہ کر پاؤ گے مسجد میں
یقیناً ننگے پاؤں لوٹنا ہو گا تمہیں گھر کو
نئے جوتے پہن کر تم اگر جاؤ گے مسجد میں

سلیکشن کی واحد صورت

جو اِس کا کھیل مدت سے جمائے ہے
وہ فل اسٹاپ کامہ ہو تو کیا کیجے
جگہ تو ٹیم میں اِس کی نہیں بنتی
سلیکٹر اِس کا ماما ہو تو کیا کیجے

بیمار ہوں میں تیرا، مری جان چارہ گر!
چارہ مجھے بھی ڈال کسی آن چارہ گر!

اِسمارٹ بن گیا ہوں میں کر کر کے ڈائٹنگ
لیکن بتاتے ہیں مجھے یرقان چارہ گر

تجھ کو بھی میرا حالِ زبوں آئے گا نظر
چشمے نے جب بھی پکڑے ترے کان، چارہ گر!

یوں نورے اور فتورے نے ماری ہوئی ہے مت
لگنے لگا ہے اب ہمیں عمران چارہ گر!

سچ جو کہوں تو صاف نظر آتے ہو مجھے
جراحتوں سے کام سے ترکھان، چارہ گر!

ٹیسٹوں پہ ٹیسٹ ہیں اور بدن میں لہو نہیں
تن کی درستیوں کے نگہبان چارہ گر

تشخیص کے خطوط کو معکوس دیکھ کر
پھیلا ہے اور دیدۂ حیران چارہ گر

تکتی ہے فیس راستہ دردِ شکم بنی
پہنچا ہوا ہے سیر کو ناران چارہ گر

پیشہ ورانہ سرد مزاجی خمیر ہے
اور ہے مسیحا کا لئے بہتان چارہ گر

نسخہ لکھا ہے خاص جنوں کی زبان میں
خطاطیوں پہ آپ کی قربان چارہ گر

میرا علاج شرطیہ ہو جائے گا ظفرؔ
مجھ سے سنے جو آن کے دیوان چارہ گر

(فلم ثریا بھوپالی کے شاعر سیف الدین سیفؔ کے گانے کی پیروڈی)

جس طرف آنکھ اٹھاؤں وہی تصویراں ہے
یا بشیراں ہے یا اُس کی کوئی ہمشیراں ہے

تاڑ رکھتا ہوں محلے میں حسیں ذاتاں کو
دلِ بے تاب لگائے ہے مری گھاتاں کو
گو مرا عقد مری پاؤں کی زنجیراں ہے

کیسا دیوانہ بنایا ہے دِلِ ٹھرکی نے
جا بجا مجھ کو پدایا ہے دِلِ ٹھرکی نے
میری شامت یہ ترے حسن کی تحریراں ہے

دھول ہی چاٹ کے آتا ہوں میں بازاراں سے
کبھی اُلجھوں میں رقیباں کبھی دلداراں سے
روز ہی پینجا گیا، یہ مری تقدیراں ہے

کس قدر لادینیت میں مبتلا ہے حُسنِ ناز
عشق کی پڑھتا نہیں ہے آج کل کوئی نماز

کوئی خفیہ آنکھ ہے ''وڈیو گرافی'' میں مگن
جب تلک جاری ہیں حسن و عشق کے راز و نیاز

ہائے! کر لی کس قدر اپنی خودی اُس نے بلند!!
ڈالروں کے مول اب بازار میں ملتے ہیں پیاز

''نکے مارے'' لوگوں کے حق کے لئے قانون میں
ڈھونڈنے والوں کو ملتی ہی نہیں کوئی کلاز

حُسن کی چکنی سڑک پر ہونا ہے توبہ سے سین
باز تِلکانے سے کب آتی ہے چشمِ نیم باز

اِس قدر بکتے نہیں ہیں جھوٹ بے حد، بے تھکان
اِس طرح بنتے نہیں ہیں بے طرح مریم نوَاز

عقد کو پا لے اگر موٹی اسامی حسنِ تر
تو شباب و پیری میں کرتا نہیں ہے امتیاز

آپ ہم جیسوں کی پوری اُس سے پڑ سکتی نہیں
منہ میں رکھتا ہے بڑی جو قد سے بھی لحمِ دراز

ٹھیک ہے، لگتے ہیں اچھے فوکروں کے پائلٹ!
اور جو گلیوں میں ملتے ہیں پڑے تم کو جہاز؟

میں اُسی ہٹّی سے لے کر آیا ہوں جنسِ سخن
جس کا منجن بیچتے آئے ترے فیضؔ و فرازؔ

کون تھا جو اِن میں خودکش حملہ آور تھا ظفرؔ
ایک ہی صف میں کھڑے تھے آ کے محمود و ایاز

دو رباعیاں

پولیس کو مہلت نہیں دی تھی ہم نے
غفلت کی سہولت نہیں دی تھی ہم نے
چالان تو کٹنا تھا ہمارا کیانیؔ
یہ جرم تھا، رشوت نہیں دی تھی ہم نے

باتوں میں مری جان بشاشت تو لگا
اِس توس پہ کچھ جامِ محبت تو لگا
بیشک نہ لگا روغن رخسار ظفرؔ
لہجے میں ذرا روغنی طینت تو لگا

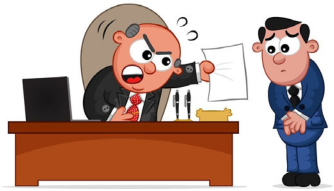

روز جائے کون
دے کرائے کون

جب تنی ہو گن
دے گارائے کون

باس ہے تو ہو
دم ہلائے کون

عصرِ ڈھیٹ میں
شائے شائے کون

پھر سے کہہ صنم!
میں برائے کون؟

موجِ عشق میں
چن چڑھائے کون

کس کے نام ہو
اور پٹائے کون

چھوڑا ہے کرنٹ
بیل بجائے کون

بھونکے دیکھ کر
کانوائے کون

شعر کہتا ہے
پی کے چائے کون

تگڑوں سے ظفرؔ
چوہدرائے کون

جھوٹا

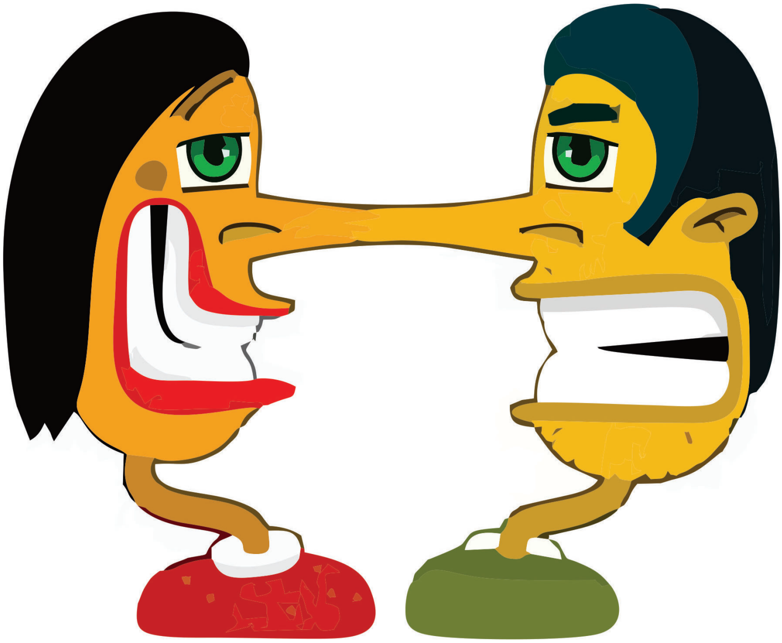

جھوٹے کی ہے بات کیا ڈھولا
آپ ہی اُس نے راز یہ کھولا
سب سے جھوٹی
بات یہی تھی
میں نے کبھی بھی جھوٹ نہ بولا

گیدڑ کو لے لے دوش پہ اور شیر شیر کر
اب تک جو کرتا آیا ہے وہ کام ”فیر“ کر

اُس سے نمٹنے کی اگر اوقات ہی نہیں
طعنے ہی مار مار کے دشمن کو ڈھیر کر

نیواں نہ ہو کے رہ جا، اڑنگی سے کام لے
وہ جو زبر ہے اُس کو کسی روز زیر کر

تیرے خصم کے منہ سے ہی باجی نکل نہ جائے
میک اپ چڑھا لے، زیست میں کچھ تو سویر کر

دندناتے ہیں رقیب کرونا کے ساتھ ساتھ
گھر میں ٹِکا رہ، ہوش تھی کچھ پھپھیر کر

آفس میں نو بجے کیوں ٹپکتا ہے روز روز
یہ شانِ افسری تو نہیں ہے، اویر کر

یہ مشورہ تھا کون سے بقراط کا تجھے
محبوب کے ہاں سنگ زنی بہرِ بیر کر

کھیڑے ہی تیری ہیر کو لے جائیں نہ کہیں
ایویں ہی نہ منیر نیازی سی دیر کر

جتنا کلام چاہے، ظفر کو سنائے جا
اِس موٹی سی اسامی کو لایا ہوں گھیر کر

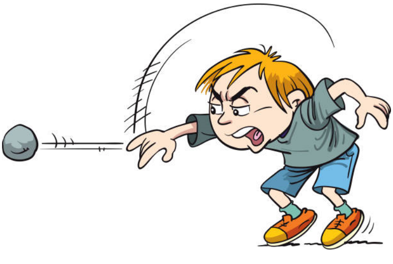

(فلم تہذیب کے لئے لکھے گئے سیف الدین سیفؔ کے نغمے کی پیروڈی)

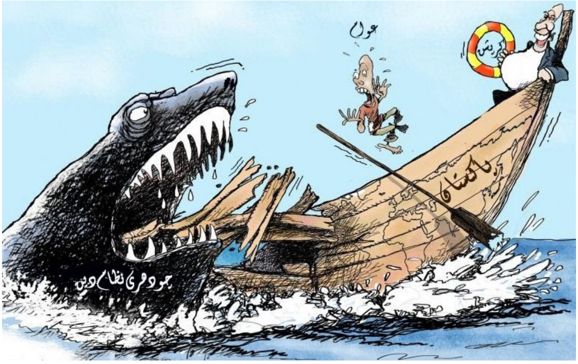
عوام
کرپشن
پاکستان
کرپشن
چودھری نظام دین

لگا ہے مصر کا بازار دیکھو!
سیاست کا نیا شاہکار دیکھو!!

ذرا دیرینہ لیڈر سے یہ کہنا
کہ کھلتا ہے ترا لوٹا ہی رہنا
تماشا بن کے دنیا کی نظر میں
تو سب کو دِکھ چکا اپنے کلر میں
یہ تیرا انتخاب آیا ہے کیسا
اسمبلی پر عذاب آیا ہے کیسا
اے لوگو! تیل کی یہ دھار دیکھو!!
سیاست کا نیا شاہکار دیکھو!

یہ نیوٹرل آپریشن کا نظارہ
لباسِ عدل ٹھہرا پارہ پارہ
یہ لوٹوں کا کھڑکنا مال کے ساتھ
قیامت چل رہی ہے چال کے ساتھ
کوئی اس باب میں اب خاک بولے
یہ خطرہ ہے، کہیں غائب نہ ہو لے
نہیں دیکھا تھا جو ناچار دیکھو!
سیاست کا نیا شاہکار دیکھو!!

ہوس نے آگ بھڑکائی ہوئی ہے
عجب دیوانگی چھائی ہوئی ہے
یوں چالیں ووٹروں سے جو چلے گا
اِنہی شعلوں میں وہ آخر جلے گا
ادارہ کیسا جادو کر گیا ہے
کئی آنکھوں کا پانی مر گیا ہے
اُترتی کس کی ہے شلوار دیکھو!
سیاست کا نیا شاہکار دیکھو!!

آزاد غزل

تھما کے آگیا تھا لیلیٰ بی کے باپ کو ہی عشق کا پیام، وڑ گیا
ہمارے مجنوں جی کا تو پروگرام وڑ گیا

تمہارا بیڑا غرق ہو وے ساقیا!
تمہاری مئے جو تھڑُ گئی، ہمارا جام وڑ گیا

بچاتے رہ گئے ہیں یار عقد کی پھسوڑی سے
یہ اور بات ہے کہ طائر آ گیا ہے زیرِ دام، (وڑ گیا)

بدک بدک گئے سبھی
کرونا کے شبے میں ڈال کر زکام وڑ گیا

یوں دعوتِ ولیمہ میں اُمڈ پڑے ہیں شہر بھر کے مفت خورے آن کر
کہ انتظام وڑ گیا

کسی کی ”چولیاں“ بھی قومی پالیسی میں ڈھل گئیں
کسی خرد کا تام جھام وڑ گیا

مچھندرانِ قوم کی جبینوں پر وہ بل پڑے، چناؤ پر ہی پل پڑے
سو قوتِ اخوتِ عوام کا تو احترام وڑ گیا

تمہارے ”ڈیڈ“ نے اٹھا لیا تھا فون ہائے ہائے
سو پھرتیوں سے جانِ جاں پکار کر تمہیں جڑا گیا سلام وڑ گیا

مشاعرے میں پیش کی گئی غزل جو سینکڑوں اشعار کی
مرا کلام وڑ گیا

دو رباعیاں

بڑبولے میں جو ہوتی ہے، سوزش ہے اُسے
تعلیمی الرجی ہے سو خارش ہے اُسے
مٹیار تو اَن پڑھ سی پہاڑن ہے مگر
انگریزی میں وِش کرنے کی خواہش ہے اُسے

عِزّ و زر و زور آج کمائیں کیسے
یُوں ٹور زمانے میں بنائیں کیسے
بس اپنی ترقی کا یہی منشاء ہے
ہم اپنے شریکوں کو جلائیں کیسے

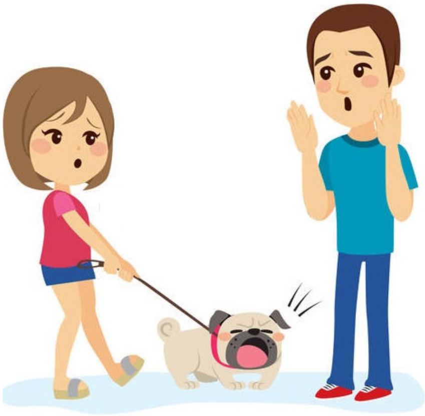

گھرداری کے کولھو میں ہم گھومیں طوہاً کرہاً
کھیل کے ہر کردار کی باتیں مانیں فوراً فوراً

سب کے جلوے ہیں میک اپ کی پردہ دارتھوں میں
ہر لڑکی کو تاڑ کے دیکھا ہم نے فرداً فرداً

تو نے بھی تو جان کے اپنے دِل سے نوچا تھا
تیرا کتا بھی تو مجھ پر بھونک رہا ہے قصداً

دین کی اعلیٰ قدروں سے تو طوطا چشمی ہے
اربعہ زوجاؤں کے باب میں خواہش میری شرعاً

کیا بتلاؤں کیسے سٹی گم کر دیتا ہے
بجلی کے بل کا آنا ہے ایک قیامت عمداً

دِل ہے ایسا باتونی کہ تیرے باب میں چپا ہے
ایسی بات کہ جس سے نکلیں اور بھی باتیں ضمناً

اوپر سے ہے شہد سا میٹھا اندر سے زہریلا
باتیں اچھی کرتا ہے پر اور ہی کچھ ہے عملاً

اپنی منجی کے نیچے بھی ڈانگ ذرا وہ پھیریں
اُن کے ہاں بھی ہو سکتا ہے خفیہ ہاتھ یقینا

جس سے زور وزر والوں کی رہ رہ مونچھیں پھڑکیں
لکھتا ہے یہ ترا ظفرؔ تو ایسے شعر صریحاً

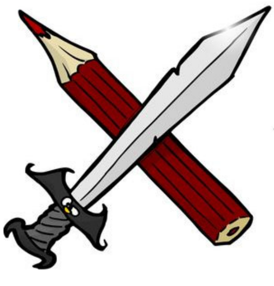

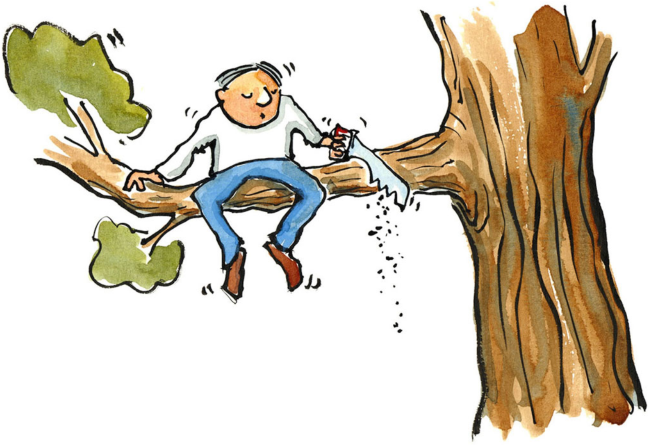

رہے اجداد میں ایسے تو ان کے بعد بھی ہوں گے
ہمیں مجنوں بنیں گے اور ہمیں فرہاد بھی ہوں گے

علومِ آپا دھاپی میں کوئی ماہر نہیں ہم سا
یقیناً اِس ضمن میں لائق اسناد بھی ہوں گے

تسلسل سے ہوا ہے اُن کے ہاں ہر سال ہی کاکا
یقیں خواجہ سراؤں تک کو ہے پھر شاد بھی ہوں گے

تمہاری مہربانی کو جدا زمرے میں رکھنا ہے
کرم فرما یونہی مجھ پر ستم ایجاد بھی ہوں گے

وکالت کرتے کرتے بن گئے ہیں اب تو لیڈر بھی
خباثت میں سوا ہیں سو مرے استاد بھی ہوں گے

پرانے عشق ایکسپائر بھی ہو کر جاں کو آئیں گے
پپئے پنگا ہماری استری کو یاد بھی ہوں گے

جو وعدے بھول جاتے ہیں انہیں ٹھینگا ہی ملتا ہے
جو زندہ باد ہیں، کل کو وہ مردہ باد بھی ہوں گے

اِک ایسے نام کیھیں کہ ہمیں انعام لگتے ہیں
اگر چہ بیشتر الزام بے بنیاد بھی ہوں گے

خدا جانے ہزل لکھیں یا ہجوِ بے بدل لکھیں
لگائی جائیں گی مرچیں تو کچھ ارشاد بھی ہوں گے

اسکور کیا ہے؟

یہ کرکٹ کے فیور کا ہذیان سا ہے
بہت غلغلہ ہے کہ اسکور کیا ہے
وہ سائل جو فائل کے پیچھے پڑا ہے
یہی پوچھتا ہے کہ اسکور کیا ہے

وبائی مرض

ورلڈ کپ کا ہے فیور تو ہم کو ظفرؔ
ہر طرح سے وبائی مرض سا لگے
جو ہوا مبتلا وہ گیا کام سے
یہ علامات سے تو کرونا لگے

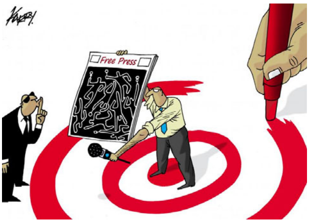

میں بھی ہوں لمڈھینگ سا، وہ بھی زرافی سا ہے کچھ
یوں مکافی ہو کے بھی کیوں اختلافی سا ہے کچھ

تیرے میرے واسطے قاتل نظامِ عدلیہ
زور وزر والوں کی خاطر تو غلافی سا ہے کچھ

جیسے تم لیڈر سے ہو یعنی کسی لوٹے سے ہو
وہ صحافی سا ہے کچھ یعنی لفافی سا ہے کچھ

اُف یہ کس مشروب سے خاطر تواضع ہے مری
ذائقہ حقے کے پانی سا ہے (کافی سا ہے کچھ)

ویسے تو وہ چپ رہا ہے میرے عرضِ عشق پر
یوں مسلسل گھورتے رہنا بھی نافی سا ہے کچھ

اُس کی خاطر میچ ہے جملہ رقیبوں سے مرا
کھیل گاہ عشق میں گویا ٹرافی سا ہے کچھ

اب تو ہر ٹھرکی کی بپتا پڑھ کے لگتا ہے مجھے
ہائے یہ قصہ مری مونو گرافی سا ہے کچھ

حرکتیں کونین کی گولی سی کڑوی ہیں مگر
گفتگو سنئے تو لگتا ہے کہ ٹافی سا ہے کچھ

بیک بینچرز کی طرف اُٹھتی نہیں نظریں تری
کیا یہ حصہ تیری محفل میں اِضافی سا ہے کچھ

تنگ کر رکھا ہے جس ظالم نے میرا قافیہ
اُس سے اب تک سلسلہ ہائے قوافی سا ہے کچھ

دِل کے آرڈیننس کی صورت ملے این آر او
یہ ظفرؔ بھی تو سزاوارِ معافی سا ہے کچھ

فلیش بیک

عمر کو تھوڑا سا ریوائنڈ کرو
اور اُن لمحات کو فائنڈ کرو
تجھ سے جب نظریں مری ٹکرائی تھیں
تیری آنکھیں بھی ذرا شرمائی تھیں
رنگ سے لہرائے تھے رخسار پر
اور ڈمپل کے پڑے تھے کچھ بھنور
کھنچ گئی تھی ہونٹ پر مسکان سی
پڑ گئی تھی جیسے مجھ میں جان سی

یوں چھلانگیں مارتا تھا دل مرا
جیسے ہو ایتھلیٹ ہائی جمپ کا
گھونٹ پیپسی کا شرابی ہو گیا
یک بیک موسم گلابی ہو گیا
ٹھہر جاؤ! ٹھہر جاؤ!! بس یہیں
اس سے آگے اس طرح جانا نہیں
خامۂ طالع کو ہونے دو نہ سست
بس یہیں پر سین کو کر دو درست
تو سرِ محفل تو ہے موجود پر
تجھ سے ٹکرائی نہ تھی میری نظر
اور نہ شرمائے تھے نیناں ترے
ہم رہے اک دوجے سے یکسر پرے
سین سے مجھ کو نہ تھی کوئی طلب
تیری جانب پشت تھی، گزرا تھا جب
تو نے بھی حرکت نہ ایسی ویسی کی
بس خمیدہ فون پر اپنے رہی

اور یوں کچھ بھی ہوا نہ بعد میں
میں پڑا نہ عشق کی افتاد میں
ہم ہوئے بربادی کی جانب نہ پیش
تُو بھی اپنے گھر ہے خوش اور میں بھی خوش

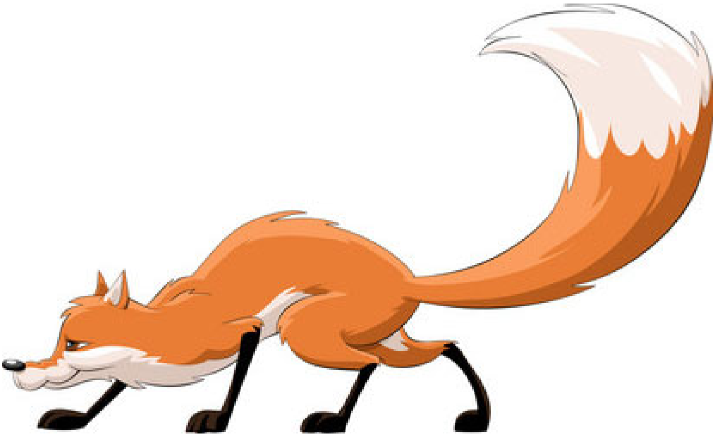

کھینچتے ہو کس لئے بیکار پونچھ
سیدھی کتے کی نہ ہو گی یار پونچھ

کون سی سوسائٹی میں ہے کلک
لومڑی کی ہے اگر شاہکار پونچھ

ہلنے لگ جاتی ہے پیشِ باس خود
ہر کسی کی ہوتی ہے خودکار پونچھ

اُن کے اندازِ سخن سے شک پڑے
ہو گی پوشیدہ پسِ شلوار پونچھ

جو ضرورت سے زیادہ ہیں نفیس
وہ تو رکھتے ہوں گے جھاڑو دار پونچھ

عرضِ دل پر اُن کا غصہ دیکھ کر
ہم دبا کر رہ گئے ہر بار پونچھ

کیوں نحوست جانتے ہیں کچھ غبی
آسماں پر ہے ستارہ وار پونچھ

زور آور ہے ہمارے ملک میں
ساری گائے کی ہوئی حقدار پونچھ

چاہے جتنی بھی ہو کینگرو ومارکہ
کیسے کتے کو ہلائے "ڈار پونچھ"

تن تنا کر جو کھڑی ہے دہر میں
دب کے رہ جائے گی یہ زردار پونچھ

اِس نفی میں بھی ہرا سگنل ہی دے
دائیں بائیں ہلتی ناہنجار پونچھ

مطلع تا مقطع غزل تحریر ہے
جب تخلص کا کرے سنگھار پونچھ

دو رباعیاں

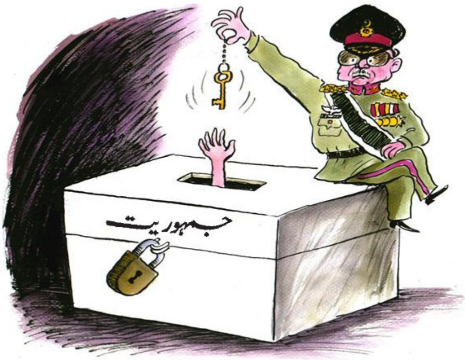

لگنے نہ دیا جائے اگر فیس کو ٹھیس
کم ہونے نہیں دیتے ہیں وکلاء کبھی پیس
قائل نہیں ہرگز یہ حق و ناحق کے
لڑ سکتے ہیں دونوں ہی طرف سے یہ کیس

بحران میں سر تا پا گڑے ایکٹر ہوں
ہر ایک ڈرامے میں اڑے ایکٹر ہوں
جو غیر سیاسی بنے پھرتے ہیں ظفرؔ
وہ لوگ سیاست کے بڑے ایکٹر ہیں

اب ہیر سے رانجھے کا مفر یونہی نہیں ہے
کیدو میاں ہیں گھات میں، ڈر یونہی نہیں ہے

اُس پر تیری اوقات کہیں کھل نہ گئی ہو
آیا ہوا لہجے میں بھنور یونہی نہیں ہے

عاشق کو بھلا کون پکڑ سکتا ہے جز دل
کس بات پہ ہے عشق اگر یونہی نہیں ہے

لُوٹا ہے ٹرک اُس نے کوئی حسن گری کا
وہ جلوہ میاں شکِ قمر یونہی نہیں ہے

سُن کر ابھی آیا ہوں میں تقریر بجٹ کی
بدلا ہوا چہرے کا color یونہی نہیں ہے

’’ڈاٹر‘‘ کے ’’تھرو‘‘ گچی سے پکڑا ہے ’’مُرے‘‘ کو
وہ از رہِ قانون mother یونہی نہیں ہے

یاد آئی ہے مرغے کو کوئی دن کی رفاقت
اِس شب کے پہر بانگِ سحر یونہی نہیں ہے

کھڑکی سے اُنہی کا کوئی کرتا ہے تماشا
ہر شخص کی کھڑکی پہ نظر یونہی نہیں ہے

ہوگا تیری آنکھوں کی طرف سے بھی اِشارہ
دِن رات تیرے در پہ ظفرؔ یونہی نہیں ہے

شافی نسخہ

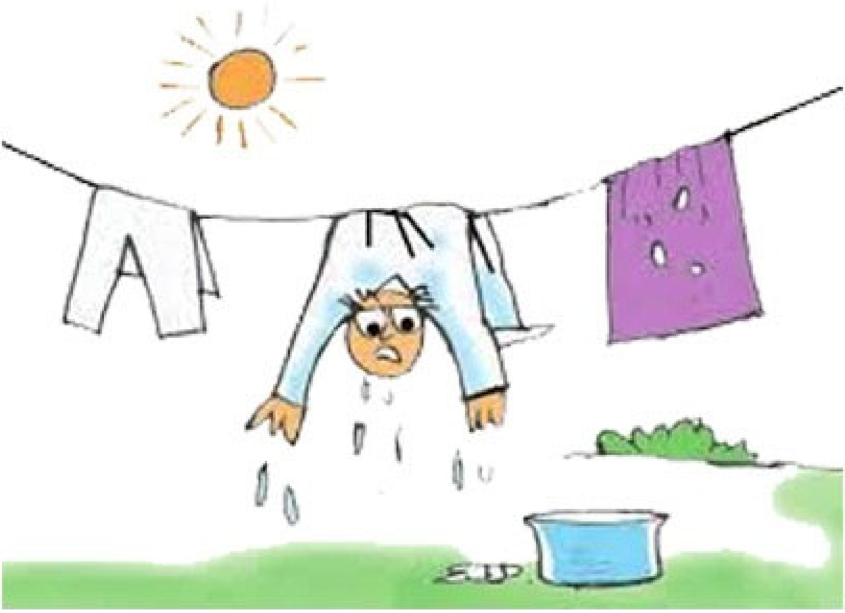

جا بجا اچھلا کریں نہ حسن کی گیندوں کے ساتھ
ٹانکنا پڑ جائے نہ ہر دم کڑی نظروں کے ساتھ
روز کا رونا نہ ہو
مسئلہ پیدا نہ ہو
دھو کے لٹکا دیں میاؤں کو اگر کپڑوں کے ساتھ

(خاقان خاوؔر کی غزل کی پیروڈی)

کر کے میکپ وہ ذرا ’’کول‘‘ بھی ہو سکتا ہے
میرا اندازہ مری بھول بھی ہو سکتا ہے
جیل میں رکھو، الیکشن میں کھڑا ہونے نہ دو
وہ چمک سکتا ہے، مقبول بھی ہو سکتا ہے
دور سے دیکھا ہے، نزدیک سے بھی دیکھوں گا
بھُونڈ سا ہے جو سیہ پھول بھی ہو سکتا ہے
آج بھی اُس کو رقیبوں نے بنایا مرغا
وہ جو بیکار ہے، مشغول بھی ہو سکتا ہے
کیوں سمجھتا ہوں کہ آتا ہے وہ کڑیوں کے لئے
سیر اُس شخص کا معمول بھی ہو سکتا ہے
چھوڑ دے ساتھ کرپشن میں اگر یاروں کا
اپنے عہدے سے وہ معزول بھی ہو سکتا ہے
جانتا کون تھا، مستی میں وہ خوش پوش ظفرؔ
یوں پھسل کر وہ کبھی دھول بھی ہو سکتا ہے

یوں اپنی ساری ہی الجھنوں کو پچھاڑ رکھنا
کسی کا حل نہ ملے تو کوئی جگاڑ رکھنا

میں اپنی آئی پہ آ گیا ہوں تو کیسے پلٹوں
جو تم نے میرا اکھاڑنا ہے اکھاڑ رکھنا

چپیڑ ویسی لگانا جیسا ہو منہ کسی کا
جو تم سے رکھتا ہے بغض، تم اُس سے ساڑ رکھنا

اُنہیں بسانا جنہیں ہے پاسِ وفا کی عادت
کہا ہے کس نے کہ اپنے دِل میں کباڑ رکھنا

وزیرِ اعظم[۱] نے سب کو عملی سبق دیا ہے
”شریف“ بن کر حسین کُڑیوں پہ تاڑ رکھنا

ملے حکومت تو خود کو رکھنا یوں ہلکا پھلکا
غریب لوگوں پہ اپنے سارے پہاڑ رکھنا

درونِ خانہ کے تانے بانے سے مت الجھنا
تم اپنی منجی کی کس کسا کر نواڑ رکھنا

یوں زعمِ حق میں نہ رہنا کہ اپنے پانیوں کے
اگرمچھوں سے، مگرمچھوں سے بگاڑ رکھنا

چلانا تُکّا (یہ عین ممکن ہے چل ہی جائے)
اگرچہ گیدڑ ہو پھر بھی شیروں سی دہاڑ رکھنا

---

[۱] شہباز شریف کی طرف اشارہ

کرکٹائزڈ آوارگی

یونیورسٹی کے پورٹل کے لئے
فون پر جب بھی ہاتھ چلتے ہیں
ورلڈ کپ کے فگرز کو ازخود
کرک انفو پہ جا نکلتے ہیں

کرکٹ بائے چانس

آپ کی رائے جو یوں بھینگی رہی
دوسرا پھر کس طرح لے پائے چانس
ہم اگر آؤٹ ہیں، ناکام ہیں
آپ رہ جائیں تو کرکٹ بائے چانس

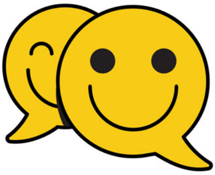

محبوب بنتے بنتے وہ ظاہر سے ہو گئے
سو اپنی رائے سے ہم رجوع پھر سے ہو گئے

وہ بھی نہیں نصیب سے اچھے نشانچی
ہم بھی جھکائی دینے میں ماہر سے ہو گئے

گنجل بنانا آ گیا رنگوں کا آپ کو
تجریدیت مزاج مصور سے ہو گئے

جب ہاتھ آنے پائی نہ ہڈی نصیب کی
مجبور ہو کے قانع و شاکر سے ہو گئے

سیکیورٹی تھی کوچۂ جاناں کی ’’ٹیٹ‘‘ سی
جب راستہ ملا تو مسافر سے ہو گئے

وہ بیوٹی پارلر سے جو لوٹے تو حشر تھے
جلوؤں میں ایسا سحر تھا ساحر سے ہو گئے

کچھ لیڈروں نے ''چولیاں'' ماری ہیں اِس قدر
اُن کی سطح پہ آنے سے قاصر سے ہو گئے

جیسے تھے ویسے تم کو دکھائی نہیں دیے
جیسے نہیں تھے ویسے بظاہر سے ہو گئے

ہم اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائیں کیا
جیسا ہے دہر ویسے ہی داہر سے ہو گئے

کیڑا تھا جو دماغ میں وہ کلبلا اُٹھا
ہم آدمی نہ بن سکے شاعر سے ہو گئے

تکُبند بھی یوں پھولے پھلائے سے تھے ظفرؔ
گویا فرازؔ بن گئے ناصرؔ سے ہو گئے

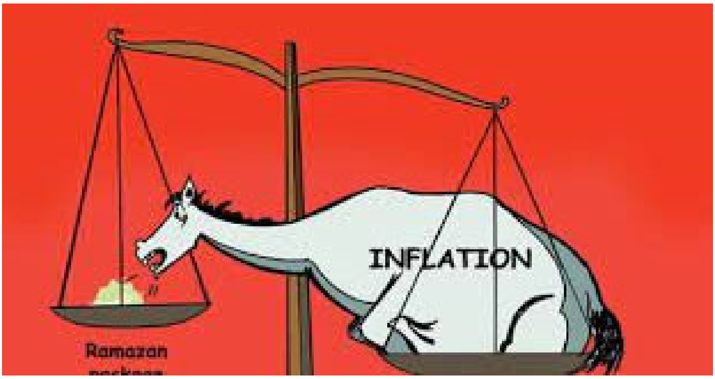

مہنگائی سے دِل ہوش بدر یونہی نہیں ہے
اِس دور میں جینا بھی ہنر یونہی نہیں ہے

مجبور ہیں وہ اپنی ”جلیبانہ“ طبع سے
باتوں میں اگر ہے یا مگر، یونہی نہیں ہے

میک اپ کے کرشمات کا قائل ہے زمانہ
افریقہ پہ یورپ کا کلر یونہی نہیں ہے

یاروں نے اڑنگی سے نوازا ہے یقینا
عالم میں کوئی خاک بسر یونہی نہیں ہے

مضروب کیا ہے کسی کاکی کے پدر نے
بستر پہ کوئی جانِ پدر یونہی نہیں ہے

اُس پھول سے پیکر میں بھی کیا گیس بھری تھی
حیرت زدہ ہر بندہ بشر یونہی نہیں ہے

پڑ سکتی ہے ناشدنی کبھی میرے گلے بھی
پھپھو کی بڑی بیٹی کا ڈر یونہی نہیں ہے

اِک دوجے پہ جلسوں میں بہت بھونکے ہیں لیڈر
یہ شام کو مل جل کے ڈنر یونہی نہیں ہے

ہر شخص نے تھاما ہے علم اپنی ہی " میں " کا
یہ نظمِ جہاں زیر و زبر یونہی نہیں ہے

جیتا ہے کسی رن کی محبت کو دغا سے
اِس رن میں ظفریاب ظفرؔ یونہی نہیں ہے

دو رباعیاں

بھُونڈی کو غمِ نیک سمجھ بیٹھے ہیں
کیوں دِل کا اِسے سیک سمجھ بیٹھے ہیں
چٹ کرنے لگے نظروں ہی نظروں میں ظفرؔ
ہر لڑکی کو کیا کیک سمجھ بیٹھے ہیں

اُمید نتائج کی نہ سڑ جائے کہیں
ووٹر اُنہیں پچی سے نہ پھڑ جائے کہیں
جو دیگ چڑھا بیٹھے ہیں سسٹم کے کُک
اُن کا بھی پروگرام نہ وڑ جائے کہیں

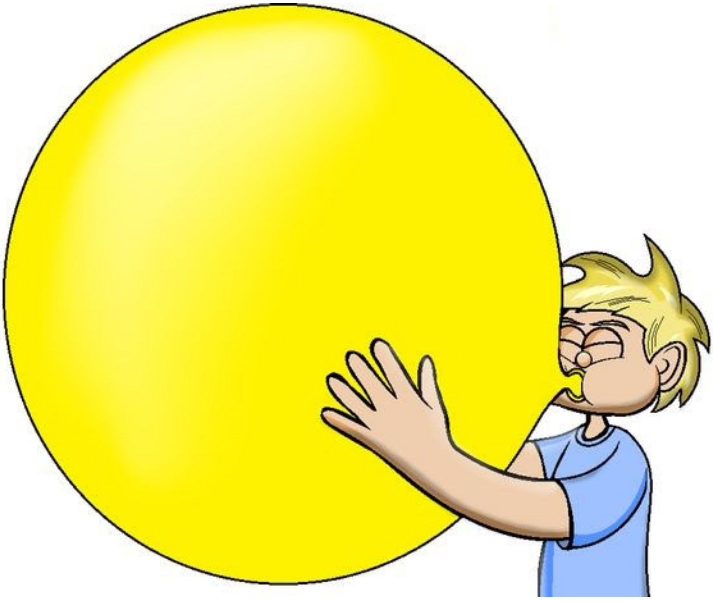

جب غلط لوگوں کو کر بیٹھے ہو تم ننگا غلط
یاد رکھو پھر تمہارے ساتھ بھی ہو گا غلط

ناچ نہ آتا تھا، آنگن ٹیڑھا تو لگتا ہی تھا
جو غلط ہو آپ، اس کو لگتی ہے دنیا غلط

اس طرح بھاشن دیا نہ کر مجھے منہ پھاڑ کر
تو بھی ہے ''ڈنگا پڑنگا''، میں نہیں تنہا غلط

اِس قدر خواری بھی ملتی ہے کہاں عشاق کو
قیس کر بیٹھا ہے شائد منتخب لیلیٰ غلط

کیوں نہیں سیکھے اُنہوں نے چار سو بیسی کے گُر
ہم شکم سیروں کی نظروں میں ہے ہر بھوکا غلط

مطمئن ہونا ہے کس مسجد میں ذوقِ انتخابات
جمعے کے جمعے پہن آتے ہو تم جوتا غلط

اِتنے دوہتڑوں پہ بھی سمجھا نہیں عشقِ غبی
باندھ رکھا ہے گلے سے ڈھول سا ڈھولا غلط

دوڑ گاہوں میں اصولِ تازہ ''اُصطبلش'' ہوا
جو گدھا نہ بن سکے، ہوتا ہے وہ گھوڑا غلط

کالی کالی ویگو کے جھولے نہیں لینے مجھے
کیسے کہہ دوں آپ نے سوچا غلط، سمجھا غلط

اُس کی کرسی، اُس کی طاقت سے ہے سارا چپ چپاں
کس میں ہمت کہ کہے کر سکتا ہے بونگا غلط

کیسے چھوڑا جاتا اُس کو اپنے ٹھٹے کے لئے
اِتنے چوروں میں تو اِک ایمان والا تھا غلط

بن گئی دنیا اگر ''غلطان پورہ'' تو ظفرؔ
ہر کوئی اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ ہو گا غلط

(منصور آفاق کی غزل کی پیروڈی)

منہ کھولتے ہیں اپنے ہی کھودے ہوئے پلیز
منہ کو کلیجہ آتا ہے، کچھ بولئے پلیز
باقی ہیں تاڑ بازوں کی کچھ حسرتیں ابھی
کیا ہے، جو بام پر رہیں جلوے ترے پلیز
بھیجا ہے میں نے آپ کو بیلنس جو اک ہزار
کہئیے پلیز کچھ مجھے، کچھ بولئے پلیز
پہلے ہی ”پاپ“ ناک میں دم ہے کئے ہوئے
ایسے میں یہ سنائیے نہ مانئیے پلیز
رات آ گئی تو کتے گلی میں دوڑائیں گے
جانے بھی دیجئے ہمیں اب دیکھئے پلیز
رہنا نہیں ہے سالوں نے گھر میں تمام عمر
منہ کو نہ ایسے اُلٹا تو کیجئے پلیز

حجاب کر لیا، لالوں کی آبرو رکھ لی
تمام تاڑنے والوں کی آبرو رکھ لی

چلے گئے تیری محفل میں ہم بھی بن ٹھن کے
گھنی سی وگ نے جو بالوں کی آبرو رکھ لی

کسی کے ہاتھ میں لتر تھا وہ بھی دس نمبری
مری خموشی نے نالوں کی آبرو رکھ لی

ہمیشہ آپ کو پیٹا ہے مل کے سالوں نے
ہمیشہ آپ نے سالوں کی آبرو رکھ لی

کچھ ایسی مست نگاہی سے دیکھا ہے مجھ کو
غزالہ نے تو غزالوں کی آبرو رکھ لی

گئے گواچے مضامین کا اچار کیا
کہ چوریوں نے مقالوں کی آبرو رکھ لی

عدو کے بازو ہمیشہ کے آزمائے تھے
چلی یوں تیغ کہ ڈھالوں کی آبرو رکھ لی

چکن کی لذتِ بے مثل سے نہال ہوئے
کنور کیوب نے دالوں کی آبرو رکھ لی

شریر کیچ

بال آتا ہے تو کرتا ہے شرارت کیا کیا
میرے کھاتے میں رقم کرنے زیاں آتا ہے
سرخروئی ہے فقط غوطہ زنی کی طالب
میں جہاں پر ہوں وہاں کیچ کہاں آتا ہے

نوبال

باؤلر جس پہ خفا ہے وہ کوئی بات نہیں
کیوں اڑائی گئی یہ خود پہ ہنسی لگتی ہے
یہ جو نوبال کہا ہے اسے ایمپائر نے
اس کے سر پر کوئی پھبتی سی کسی لگتی ہے

حسیناؤں پہ دوڑانے لگا تھا تار ”پرچونی“
نظر خاتون نے ڈالی میاں پر ٹھیک ہی خونی

”پخایا“ اِس قدر ظالم نے ”اوون“ لن ترانی کا
مرے جذبے بھی تل ڈالے، مری امید بھی بھونی

پیئے لیڈی سٹینو باس تو اپریل جیسے ہیں
طبع میرے لئے اِن کی ہمیشہ سے رہی ”جونی“

وہ کیسے ہیں، وہ کیوں ہیں جو کرپشن کے نہیں قائل
اُنہیں اب کرنا ہو گا جاری نوٹس کوئی قانونی

سدا تعلیم ہی انساں بناتی آئی ہے سب کو
مگر وہ لوگ جو روزِ ازل سے بن چکے ”نونی“

بڑی دشوار ہے تعلیمِ طفلاں اِس زمانے میں
خزانہ چاہیئے اِس کے لئے بھی اب تو قارونی

یہ جنٹلمین جس سے بات کرتا ہے تو ''سر'' کہہ کر
بسا اوقات تو حرکات سے لگتا ہے ''بیبونی''

نہ سوجھے طعن موقع کا جو آپس کی لڑائی میں
تو کیسے عورتیں بس کہہ کے رہ جاتی ہیں ''نی تونی''

میاں کی فیس پر وہ پوسٹ کر دے اپنا سگنیچر
میاں پر آزمائے جب کبھی ہتھیار ناخونی

یوں اینکر ہیں بڑے تگڑے مگر یہ المیہ بھی ہے
''چوّنی'' کو روانی میں پڑھے جاتے ہیں وہ ''چوُنی''

ظفرؔ شاعر کو سب نے اپنی اپنی آنکھ سے دیکھا
کسی نے سمجھا دیوانہ، کسی نے جانا افیونی

دو رباعیاں

کیوں ایسا کوئی عالم فانی میں ہو
ہر وقت فقط اپنی ہی مستی میں ہو
ڈیزل بنا گاڑی بھی اُڑا لے جائے
نسوار اگر خان کی ٹینکی میں ہو

بُلبُل بھی ملا تو اُسے بط سمجھا ہے
جو سمجھا ہے نادان غلط سمجھا ہے
کیا عشق کی ڈکشن تھی کچھ اِتنی مشکل
نامے کو بھی تاوان کا خط سمجھا ہے

ناپائیدار کیسے نہ ہو پیار آج کا
ہر لونڈا عشق کا ہے رضاکار آج کا

کوڑے کو آن لائن ہی کر لے جمع کبھی
اَپ ڈیٹ اِس قدر ہو جمعدار آج کا

اِس دور کے سیاسی تعلق عجیب ہیں
کل کا محبِّ یار ہے غدار آج کا

جو ہے بکھیڑا آج ہی اُس کو سمیٹ لو
اُلجھے نہ کل کے پیر سے اتوار آج کا

اِک روز کے لئے ہی مرے ہو کے دیکھئے
یوں بھی تو ویلینٹائن ہے تہوار آج کا

یہ راک ''پاپ'' ہے یا کباڑی کی ہے صدا
یہ پھیری والا ہے یا گلوکار آج کا

تہبند سا سکون کہاں جینز میں بھلا
ویسا کہاں لباس ہوادار آج کا

آنکھیں ہمارے عہد کی کھل کے بھی نہ کھلیں
چندھیا گیا ہے دیدۂ بیدار آج کا

فردا کی فکر چھوڑیئے، یہ بھی نہیں ہے کم
کر پائیں آپ بیڑا اگر پار آج کا

کھا لیتے ہیں سو خان سے پرسش نہ کیجئے
نسوار آج کی ہے یا نسوار آج کا

میری بلا سے، لال بجھکڑ بھی ہو تو کیا
جب میں نہیں ہوں مرکزِ پرکارِ آج کا

لکھنے لگا ہے اپنی زمیں پر غزل ظفرؔ
یہ بھی ہے اِک طرح سے زمیندار آج کا

ریاض

ہمسائے میں جگا کر وہ سب کو کریں ریاض
شہرہ بنا کے نام و نسب کو کریں ریاض
سب سے سنیں ”مراثی“ لقب کو، کریں ریاض
کچھ تارکِ موسیقی جو شب کو کریں ریاض

دوڑائیں سر کے پیچھے یوں صوتِ حمار کو
لینڈی ہو جیسے ہرنوں کے خونی شکار کو
ڈالیں سماعتوں میں نقب کو، کریں ریاض
کچھ تارکِ موسیقی جو شب کو کریں ریاض

سرتال کی سمجھ ہے نہ راگوں کا درک ہے
اپنے تئیں تو ساروں کو گیتوں کا درک ہے
ماتم سا کر کے رنگِ طرب کو کریں ریاض
کچھ تارکِ موسیقی جو شب کو کریں ریاض

گانے، بجانے والوں میں ہے بعد صاف صاف
لگتا ہے دونوں میں کچھ نظریاتی اختلاف
سنگت میں لے کے سازِ عجب کو کریں ریاض
کچھ تارکِ موسیقی جو شب کو کریں ریاض

آئے نہیں ہیں اہلِ محلہ کے ہاتھ وہ
ورنہ ضرور کھاتے کسی سے تو لات وہ
للکاریں ہر کسی کے غضب کو، کریں ریاض
کچھ تارکِ موسیقی جو شب کو کریں ریاض

گاتے ہوئے بنائیں کچھ اس طرح کے وہ منہ
جیسے چڑا رہے ہوں وہ اک دوسرے کو منہ
پھیلا کے اپنے دیدہ و لب کو کریں ریاض
کچھ تارکِ موسیقی جو شب کو کریں ریاض

سسروں میں جانگلوس کا بیڑہ ہی غرق ہے
گلشن میں گھاس پھوس کا بیڑہ ہی غرق ہے

کتوں کو چونے والے بھی فنکار ہیں بہت
کنجوس مکھی چوس کا بیڑہ ہی غرق ہے

دو چار طبقوں کی ہیں مسلسل عیاشیاں
باقی سبھی نفوس کا بیڑہ ہی غرق ہے

مکاریوں کا آلو تو سیدھا ہے ہر جگہ
احبابِ پرخلوص کا بیڑہ ہی غرق ہے

جمہوریت کی پُتلی نچاتے ہیں خفیہ ہاتھ
جمہور کے جلوس کا بیڑہ ہی غرق ہے

وہ حکمتیں بھی ٹوٹکے والے بتاتے ہیں
سن سن کے جالینوس کا بیڑہ ہی غرق ہے

لو گِدھ بھی کہہ رہے ہیں کہ ہم ذات ہیں مرے
ساحل پہ اب کے goose کا بیڑہ ہی غرق ہے

چپ چاپ دل میں گھس گئے ہم چین کی طرح
امریکہ اور روس کا بیڑہ ہی غرق ہے

سر میں مذاق رکھا نہ ہم نے دماغ کا
منبع ہے گھاس پھوس کا بیڑہ ہی غرق ہے

آموں کے رس میں آموں کے کیڑے بھی حل ہوئے
پی کر گلاس جوس کا بیڑہ ہی غرق ہے

فدوی کسی کی ترچھی نظر کا شکار ہے
یا صید کارتوس کا؟ بیڑہ ہی غرق ہے

اِک آہنی دیوار سے ٹکرایا تو کہیں
اک دستِ آبنوس کا بیڑہ ہی غرق ہے

پھسلے پڑے ہیں سارے ہی افسر الف تا ئے
شیرہ ہے چاپلوس کا بیڑہ ہی غرق ہے

سچائیوں کی تلخی گوارہ کسے ظفرؔ
ہم جیسے ہر کھڑوس کا بیڑہ ہی غرق ہے

خلائی مخلوق

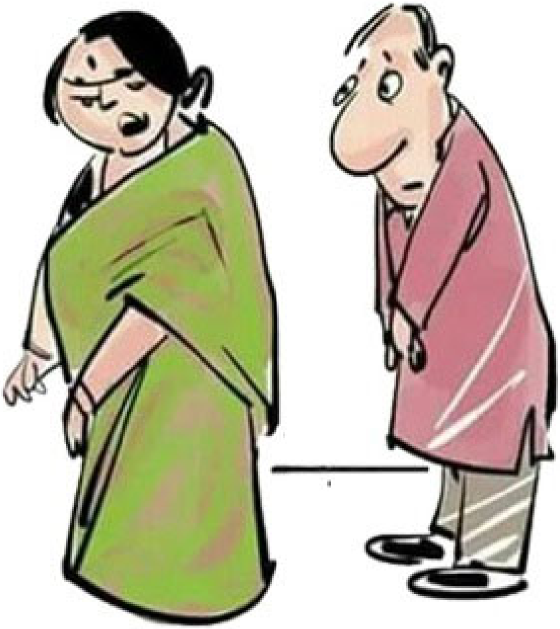

بھگتئے یہ ہے فقط آپ کی اپنی بندوق
اِن سے دب کے ہی رہیں گے تو رہیں گے مرزوق
آپ سے جو بھی کہیں
اپنا سر خم ہی رکھیں
اپنی بیگم کو سمجھ لیجے ہوائی مخلوق

رونق ہستی کا کیسا حل نکالا اِک عدد
مجھ کو دے رکھا ہے میرے رب نے سالا اِک عدد

اِن کی کھینچا تانیوں سے کس طرح بچ پاؤں گا
دو عدد پھپھیاں ہیں میری اور خالہ اِک عدد

ہر مسلماں کی طرح تقدیر پر ایمان ہے
فال کی خاطر مگر طوطا ہے پالا اِک عدد

روز اِک بیوی کی صورت دیکھ کر جی تنگ تھا
آ بسا ہمسائے میں لیکن ازالہ اِک عدد

دیکھ لو ہر ملک میں سازش کا جالا بُن دیا
زور و زر والوں کی مکڑی ہے ملالہ اِک عدد

میری گھر والی نہیں بننا، نہ بن! تیرے لئے!!
یہ پلاٹِ دل ہے حاضر، سوکنالہ اِک عدد

لفٹ دیتی تھی نہ میرے جیسوں کو پر آج تو
میرے جیسا چاہیے بہرِ حلالہ اِک عدد

مجھ کو بھی درکار ہے کھانے پکانے کی سند
میں نے بھی اپنے تئیں انڈہ اُبالا اِک عدد

جس پہ ”پی“ کا نام میں سِمرا کروں صبح و مسا
چاہیے وکھری مجھے سانسوں کی مالا اِک عدد

اب کوئی جمہوریت جمہوریت جیسی نہیں
اب تو ہر اِک دال میں ہوتا ہے کالا اِک عدد

ٹیکس والوں کی نظر رہ رہ کے پڑتی ہے ظفرؔ
رہ گیا کیسے کسی منہ میں نوالہ اِک عدد

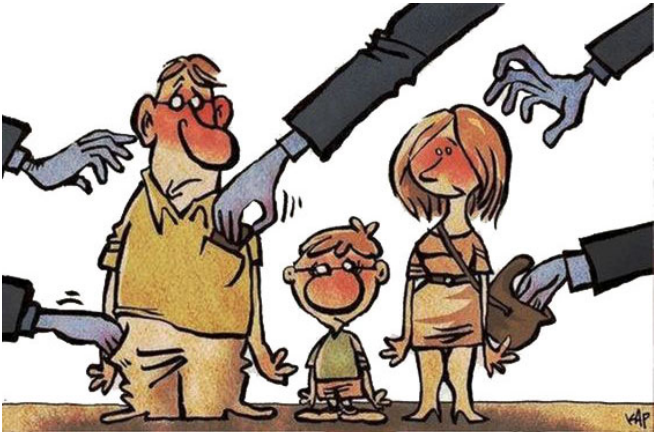

اندھا کہیں کا

کرائے باؤنسر یوں باؤلر بھی
کہ جیسے کوئی پتھر پھینکتا ہے
پتہ بھی ہے کہ ہاتھوں میں ہے بلا
مگر وہ بال منہ پر پھینکتا ہے

عدلِ ایمپائری

باؤلر کی دہشت گردی سے ہے کیوں اغماز ترا
اِس کا غیض بھی مجھ پر، تیری نظروں میں بھی دوشی میں ہوں
جارے جا ایمپائر میں نے دیکھ لیا انصاف ترا
ٹانگ بھی میری ٹوٹی ہے اور ایل بی ڈبلیو بھی میں ہوں

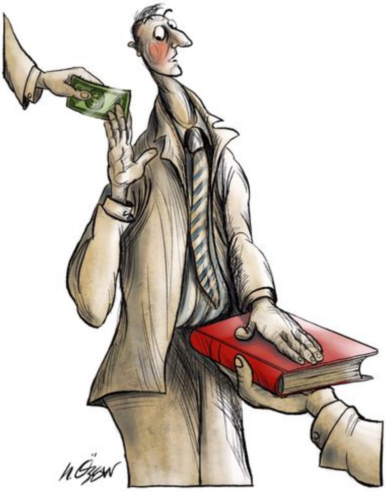

قوم کے حق میں ہیں دَد، بصد شد و مد
سب کرپشن کے برگد، بصد شد و مد

رہنما سارے بد بھی ہیں بدنام بھی
اور اِک دوجے سے ودھ، بصد شد و مد

باغ کیا سبز اب کے دکھائے گئے
گل محمد بھی جنُبَد، بصد شد و مد

پولیٹیشن حکومت کو سمجھے ہیں کیا
اپنے باوا کی مسند، بصد شد و مد

خود تو دو چار بالشتوں میں مُک گئے
ناپتے ہیں مرا قد، بصد شد و مد

دم ہلانے لگیں ہر حسیں پر یونہی
کوئی زمرہ نہ مقصد، بصد شد و مد

جس نے جو کرنا تھا، کر کے جا بھی چکا
آپ دیکھا کریں حد، بصد شد و مد

ہر کوئی ایک دوجے سے اونچا کرے
اپنی پگڑی کا گنبد، بصد شد و مد

اپنی غزلوں میں ہم آپ اپنی ظفرؔ
کیوں اُڑانے لگے بھد، بصد شد و مد

وائے قسمت

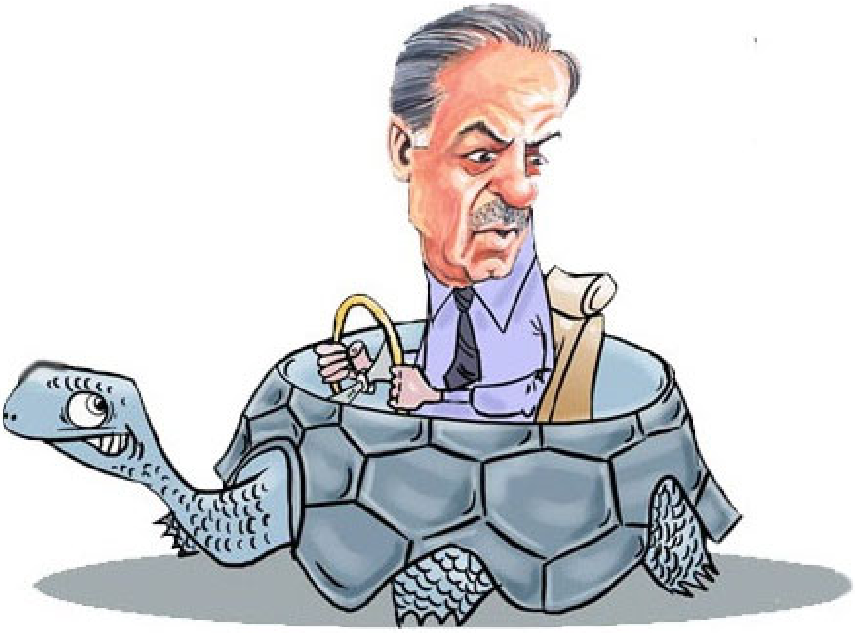

رب قوم کے اعمال کا پھل دیتا ہے کوئی
تو مقتدرِ اعلیٰ چول دیتا ہے کوئی
چاہے وہ حکومت کا ہو قصہ
یا ملکی معیشت کا ہو قصہ
خرگوش کو کچھوے میں بدل دیتا ہے کوئی

ہر کہانی بولڈ سی ہے، پڑ گئی ہے دل میں ٹھنڈ
جیسے منٹو نے لکھی ہے، پڑ گئی ہے دل میں ٹھنڈ

وہ کُڑی موٹی نہیں ہوتی ہے لڑکوں کی طرح
بس فلیپی ہو گئی ہے، پڑ گئی ہے دل میں ٹھنڈ

ایزی کم ہے، ایزی گو ہے، کوئی بھی ٹینشن نہیں
گورنمنٹ کی نوکری ہے، پڑ گئی ہے دل میں ٹھنڈ

بس گئی ہے دل میں تو کیا دیکھنا، کیا سوچنا
بھوتنی ہے یا پری ہے، پڑ گئی ہے دل میں ٹھنڈ

رات میں ہی اُلو کا پٹھا نہیں ہوں فون پر
ساتھ وہ بھی سرپھری ہے، پڑ گئی ہے دل میں ٹھنڈ

میرے عرضِ حالِ دل پر کس قدر تن فن گئی
کس طرح وہ گھورتی ہے، پڑ گئی ہے دل میں ٹھنڈ

حرکتوں سے لگ رہے ہو بھائی مجنوں کی طرح
کتنی اُلٹی کھوپڑی ہے، پڑ گئی ہے دل میں ٹھنڈ

شیر سمجھے تھے اُسے قومی سیاست کا مگر
ایسی دولتّی جڑی ہے، پڑ گئی ہے دل میں ٹھنڈ

مسخرا ہی جان کر، رک تو گئے وہ پل دو پل
اور اُس پر یہ ہنسی ہے، پڑ گئی ہے دل میں ٹھنڈ

ہم نے جب بھی کھائی ہے نسوار، راکٹ بن گئے
خان جی نے جب بھی لی ہے، پڑ گئی ہے دل میں ٹھنڈ

لکھتا ہے کیا کھُلا ڈھلا سُن کے آجاتی ہے چَس
خوب تیری شاعری ہے، پڑ گئی ہے دل میں ٹھنڈ

دو رباعیاں

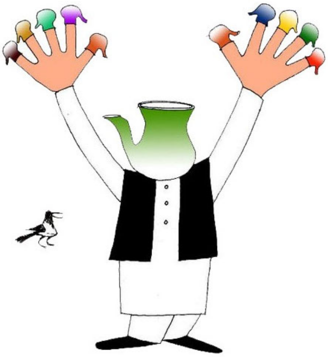

تھیسز میں جو موضوع ہیں، بتاؤں کیا میں
عنوان جو دیکھیں تو جگر کو تھامیں
یہ رہ گئے ہیں، اِن پہ بھی پی ایچ ڈی ہو
اقوال نوشتہ ہیں جو بیت الخلا میں

اِس بار الیکشن جو لڑا ہے دیکھو
وہ بن گیا جو اُس نے کیا ہے دیکھو
رہتا تھا سیاست میں جو لوٹا بن کر
”لوٹا“ ہی نشاں اُس کو ملا ہے دیکھو

پیار سے اس نے کبھی فدوی کو دیکھا بھی نہیں
بلی کے بھاگوں یہ چھینکا کبھی پھوٹا بھی نہیں

سہرہ باندھا ہے کہ اندھا اُسے کر کے لے جائیں
اِس لئے تو کوئی دولہا کبھی بدکا بھی نہیں

میرے اعمال سی کالک میری قسمت میں رہی
مس اجالا سے جو ہوتا وہ اجالا بھی نہیں

کسٹمر جس کا ہوں وہ جنس نہیں سیل ایبل
جس پہ مرتا ہوں اُسے تو مری پروا بھی نہیں

ٹھرکیوں کو یونہی عشاق سمجھ بیٹھے ہو
عشق کرنا تو کوئی "خانۂ خالہ" بھی نہیں

حسن والوں میں یونہی مجھ کو کھلا چھوڑے رکھے
اِس قدر خوش تیرے بھائی سے تری بھابھی نہیں

ایک دوجے سے ہے شعرا کو ہمیشہ سے گلہ
اپنی کہہ جاتا ہے لیکن مری سنتا بھی نہیں

ڈال دی ہو گی کبھی چھِلکے سے ہڈّی وڈّی
میرا کتا میرے دشمن پہ جو بھونکا بھی نہیں

آئی ایم ایف کی ہے امداد پئے سودِ کثیر
سر پہ رکھنے کے لئے ہاتھ اٹھاتا بھی نہیں

بیلنا سر پہ رہے سات بٹا تیس ظفرؔ
کون سا دِن ہے کہ جس دن کوئی دھڑکا بھی نہیں

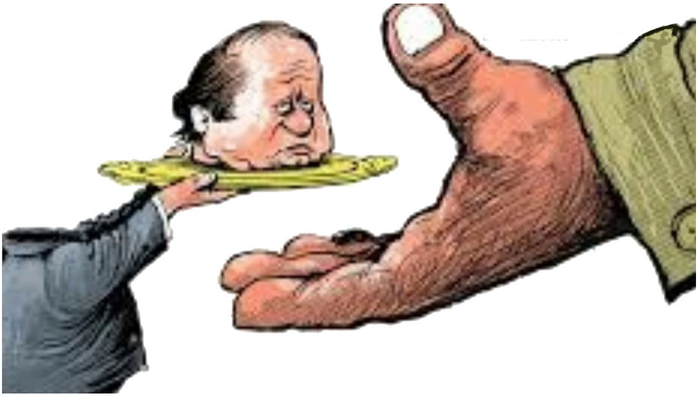

کس طرف گم ہوگئی ہے جا کے ٹنڈ
ہاتھ کی کھجلی مسلسل تا کے ٹنڈ

کوئی پوچھے کہ کما پائے گی کیا
بال والوں میں بھرم فرما کے ٹنڈ

نیوٹرل کے ایک باگڑ بلّے سے
خوش ہوئی لگوا کے کیسے نا کے ٹنڈ

یہ نشانِ جاتی امراء تو نہیں
کیوں چھپاتے ہو بھلا شرما کے ٹنڈ

نیوٹرل کا تجربہ کیسا لگا؟
کرسی پر ٹانکی ہے اِک منگوا کے ٹنڈ

بھاگے تھے کروا کے کل چھتر پریڈ
آ گئے پھر دھو کے منہ، مٹکا کے ٹنڈ

مقتدر بغلیں بجاتے ہیں بہت
ایک ''ٹیٹو'' کے لئے چھدوا کے ٹنڈ

بال اُگ نہ پائے ہیں سر ما تلک
گرمیوں میں دیکھ لی کروا کے ٹنڈ

ایک ستر سالہ بالوں والے سے
کر چلے کروا کے ''تیرہ کا کے'' ٹنڈ

ووٹروں کی ڈنڈا ڈولی چاہیے
سر چڑھی جاتی ہے پھر سے آ کے ٹنڈ

ایسا لگتا ہے کسی نے آپ کی
کھوپڑی پر رکھی ہے بنوا کے ٹنڈ

آئی ایس آئی کی چپت اندر چپت
کرگئی ہے سارے کدو ”را“ کے ٹنڈ

بزم میں لہراتے گھُنگھر آئے تھے
چل دیئے سر کو کہاں پہنا کے ٹنڈ

تیری میری چپتوں کی گھات سے
بج رہی ہے ”ڈ“ ٹنڈ کا ڈھا کے ٹنڈ

کُتّے

بعض افراد یونہی نظروں میں آجاتے ہیں
بد سے بدنام برا ہوتا ہے جیسے یارو
بعض انسانوں کے کرتوتوں سے جانا ہم نے
اِتنے کتے بھی نہیں ہوتے ہیں کتے یارو

ہم کو کیا

ہم تو پیدل رواں ہیں، ہم کو کیا
کار جتنی بھی تیری ٹاپ کی ہے
بھرتا پھرتا ہے ایسے فراٹے
روڈ جیسے یہ تیرے باپ کی ہے

عاشق حسنِ تر کے ہیں
زندہ تجھ پر مر کے ہیں

بے بی تو ہے کُول بہت
پر تیور ہیٹر کے ہیں

کس میں الجھا پائے سخن
گھپلے کس گھنگھر کے ہیں

چل ہے جمعے کے دِن بھی
ٹھرکی آج بھی ٹھر کے ہیں

ایمو پر ہو وصل، تو ہو
دلبر جو سکھر کے ہیں

اب وہ مرغ اصیل کہاں
سب چوزے شیور کے ہیں

سب شہکار فسانے ہیں
جو لائق سنسر کے ہیں

سوزِ دل تسلیم مگر
گیت کسی جھینگر کے ہیں

شعر ہے یا دشنہ ہے ظفرؔ
غزلیں ہیں یا چر کے ہیں

(سلیم کوثر کی غزل کی پیروڈی)

کوئی ٹرک کی بتی دکھاتا ہے پر جانے کون دکھاتا ہے
مجھے سارے شہر بھگاتا ہے پر جانے کون بھگاتا ہے

کوئی منڈا ہے جس کو کُڑیاں مل کھینچ رہی ہیں اپنی اور
کوئی اُس کی ٹنڈ بچاتا ہے ہر جانے کون بچاتا ہے

وہی جیب مری، وہی ’’گنڈ کپوں‘‘ کی نگری ہے اور ایسے میں
کوئی اپنا ہاتھ دِکھاتا ہے پر جانے کون دِکھاتا ہے

کہیں اِس معلوم سیاست میں کوئی نامعلوم سی طاقت ہے
کوئی اپنی ٹانگ اڑاتا ہے پر جانے کون اڑاتا ہے

میری دودھ ملائی جیسی ہیر ہے، رانجھا کہتی ہے مجھ کو
کوئی رنگ میں بھنگ ملاتا ہے پر جانے کون ملاتا ہے

کوئی کہتا ہے یہ رستہ ہے ہر ایرے غیرے کی خاطر
کوئی گاڑی آن گھماتا ہے پر جانے کون گھماتا ہے

کوئی کہتا ہے اسکول ہے یہ اور مار نہیں ہے پیار ہے بس
کوئی بید کا خوف دلاتا ہے پر جانے کون دلاتا ہے

کوئی کہتا ہے اِن آنکھوں میں کئی خواب ہیں اور اِن خوابوں میں
کوئی پھینٹی آن لگاتا ہے پر جانے کون لگاتا ہے

کوئی لیکوں لیک ہوا ہے اور ننگا ہے سب ہم وطنوں پر
کوئی نیب سے پاپ چھپاتا ہے پر جانے کون چھپاتا ہے

کوئی رپٹ لکھانے آیا تھا چپ چاپ سہے جاتا ہے جیل
کوئی چور ہے، شور مچاتا ہے پر جانے کون مچاتا ہے

کوئی گوری میک اپ کر کر کے ہر روز چلی آتی ہے مگر
کوئی دونوں بیچ آ جاتا ہے پر جانے کون آ جاتا ہے

نیک خو!
کون؟ تو؟؟

بھوت ہے
یا گرو!

پھبتیاں !!!
چار سو

تیرا گھر
ایک زو

پھر پکے
گونگو !!!

جھگڑے سی
گفتگو !!!

تاڑ میں
ہر نکو

میٹھا ہپ
تلخ تھو

کامراں !!!
پچھلگو !!!

بن نشئی
پی ڈیو

دو رباعیاں

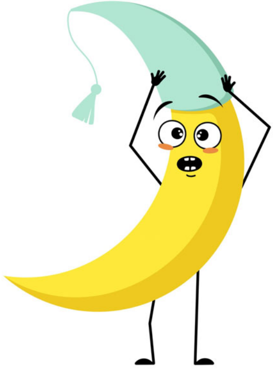

روزوں کو بھی روکیں گے اگرمت نہیں کی
عید آ نہ سکے گی جو فراست نہیں کی
چڑھنے نہ دیا جائے گا اب عید کا چاند
نومئی کی اگر اس نے مذمت نہیں کی

مُسلوں کا ہے کیا، دودھ چڑھا جاتے ہیں یہ
پیشاب پہ ٹھُٹھا بھی لگا جاتے ہیں یہ
گاؤ کا ذرا بھی تو بھرم رکھتے نہیں
ماتا کو مری مار کے کھا جاتے ہیں یہ

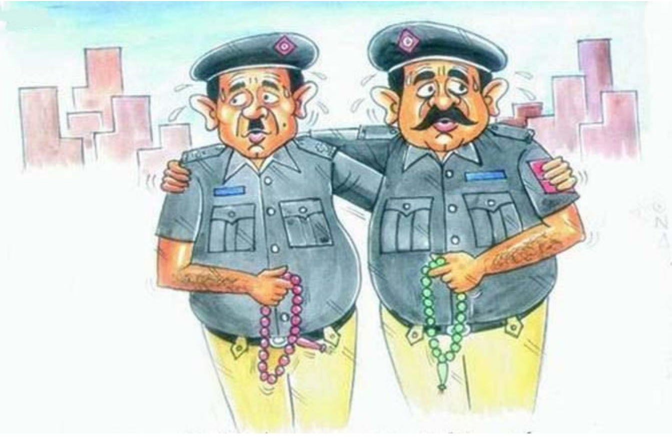

پُلس تھانے کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے
گویا ''رانے'' کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

سیٹھ کی ساری اکڑ زیرِ تصرف آجائے
منشیانے کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

خانوادۂ سیاست ہے تو لیڈر ہے وہی
''درمیانے'' کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

کالا دھن دھو کے جو لے جائے دبئی ولندن
اُس گھرانے کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

جج اگر ایسے ملیں، کام حکومت کا چلے
اندھے کانے کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

پیر صاحب کی کمائی ہے سبھی سے بڑھ کر
آستانے کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

نان نفقہ اِسی کے ذمے ہے جب گیس نہ ہو
اسطوانے کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

یہی اُستاد ہر اک ’’ڈنگے پڑنگے‘‘ کا ہے
تازیانے کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

ساری نظریں اُسی جانب کو اُٹھی رہتی ہیں
اک زنانے کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

خوب سے خوب تر و تازہ یونہی ڈھونڈتے ہو
مجھ ’’نمانے‘‘ کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

اِک یہی غم ہے زمانے میں، چھڑوں سے پوچھو
شامیانے کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

فوت کروا کے جنہیں چھٹی ملے دفتر سے
دادے نانے کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

بس یہی چیز ہے درکار بنا محنت کے
محنتانے کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

کچھ بھی دنیا میں ہو، شاعر کو غرض شعر سے ہے
شاعرانے کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

پارٹی پیٹرن

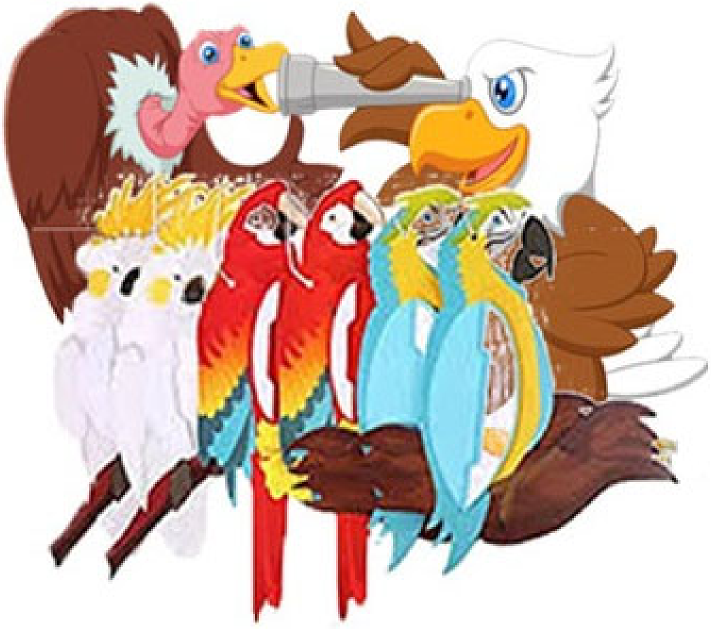

جس قدر لیڈر ہوں سارے، ایسے یا ویسے ہی ہوں
ہر اِشو پر سب کے سب ٹیں ٹیں کئے جاتے ہی ہوں
ہر سیاسی پارٹی
پیٹرن میں ہے یونہی
ایک ہو کرگس یا شاہیں، باقی سب طوطے ہی ہوں

ہوتا ہے ایسے کوئی پشیمان شاذ شاذ
پکڑاتا ہے یوں کان تو نادان شاذ شاذ

پایا گیا ہمیشہ ”مری“ جیسا کول کول
دیکھا گیا ہے طیش سے ملتان شاذ شاذ

عادی رہا ہے ”شیپ“ کے ریوڑ کا آج تک
ملتا ہے ڈرٹی ہیری کو عمران شاذ شاذ

للکارتے ہیں اپنے حریفوں کو آن کر
میدان میں سیاسی ہنومان شاذ شاذ

دیکھے ہیں بنتے مافیا لوگوں میں بانٹ کر
بریانی اور قیمے بھرے نان شاذ شاذ

بحران سے نمٹتے ہوئے لیڈرانِ قوم
دیکھے ہیں بنتے آپ ہی بحران شاذ شاذ

ہم سا کسی نے عالم عقل و شعور میں
مانگا ہے اپنا آپ سے تاوان شاذ شاذ

لکھا گیا جہانِ ادب میں مبینہ
دنیا سے انتقام میں دیوان شاذ شاذ

تیور سے اتنا بھینسا نظر آتا ہے کوئی
یوں ظاہراً تو لگتا ہے انسان شاذ شاذ

رکھا گیا ہے نام تو سنگدل تو نہ بنے
بن کر دکھائے کچھ تو وہ گل خان شاذ شاذ

مانیں نہ اہلِ حکم کی ہر بات اندھا دھن
اِتنے خراب ہوتے ہیں اذہان شاذ شاذ

گلی کے سگے

سگوں سے بڑھ کے سگے ہیں گلی کے کتے بھی
یہ گھیر گھور کے رستے میں جھاڑتے ہیں مجھے
مشاعرے سے میں جب لوٹتا ہوں رات گئے
یہ میری بیوی سے پہلے لتاڑتے ہیں مجھے

ہزاروں خواہشیں ایسی۔۔۔

مخالف شور ہو چا ہے، سماں کچھ اور ہو چا ہے
دکھا دیں زور دنیا کو تو سوچیں کیا تماشا ہو
اگر میداں ہو انڈیا کا، تماشائی بھی انڈین ہوں
ہرا دیں پھر بھی انڈیا کو تو سوچیں کیا تماشا ہو

کیا کہوں جب وہ مجھ سے پوچھے، دس! میں نے کیا کھویا، میں نے کیا پایا
میں بھی اُس سا ہوں بندۂ بے بس، میں نے کیا کھویا، میں نے کیا پایا

جو نہاری میں تھا وہ پایا تھا اور جو حلوے میں تھا وہ کھویا تھا
دیکھ لے تو بھی جانے والے برس، میں نے کیا کھویا، میں نے کیا پایا

جو بھی ملتا رہا، لپیٹے گیا، جو بھی چبھنے لگا، اُگل ڈالا
میرا اِس پر نہیں رہا فوکس، میں نے کیا کھویا، میں نے کیا پایا

نہ خوشامد کا گند کر پایا، نہ خودی کو بلند کر پایا
گویا شاہین تھا نہ میں کرگس، میں نے کیا کھویا، میں نے کیا پایا

اِس دفینہ گہِ جہاں میں بھلا، کیا ملا ہے مجھے بجز ٹھینگا
یہ بتائے گی تجھ کو میری ”سس“، میں نے کیا کھویا، میں نے کیا پایا

سارے ٹھگنے ہیں دیو دفتر میں، سارے بونے ہیں اونچے نمبر میں
میں رہا ہوں میانِ خار و خس، میں نے کیا کھویا، میں نے کیا پایا

جس کی باتیں تھیں پیار کی گھاتیں، اُس نے جڑ دی ہیں اِس قدر لاتیں
میرے چہرے کو کر دیا چورس، میں نے کیا کھویا، میں نے کیا پایا

جو کمانا تھا سو کمایا ہے، جو لٹانا تھا سو لٹایا ہے
تو ہی کہہ دے اے میرے نکتہ رس، میں نے کیا کھویا، میں نے کیا پایا

راہبر تھا مداری یا ڈھکنا، ووٹ جب میں نے ڈالا ہے اپنا
تو سیاست کا چل سکا سرکس، میں نے کیا کھویا، میں نے کیا پایا

سب زمانے سے مار کھائی ہے، پھر بھی لب پہ کہاں دہائی ہے
رلنے والے کو آ گئی ہے چس، میں نے کیا کھویا، میں نے کیا پایا

ہاتھ پاؤں چلے تو کھا لیا پھل، اور بھیجا چلا تو لکھ دی غزل
اور کیسے نکالتا آلس، میں نے کیا کھویا، میں نے کیا پایا

(فلم ماضی حال مستقبل کے لئے لکھے گئے سیف الدین سیفؔ کے گیت کی پیروڈی)

او، کُڑی تو نے ہر قدم پہ مجھے!
ایک جھٹکا نیا لگایا ہے
کبھی خوش فہمیوں پہ ٹنگ دیا
کبھی کدّو مرا گھمایا ہے

میں سمجھتا ہوں، جانتی ہے تو
میں ہوں ہیرو نہ تو ہے ہیروئن
دو چول ہیں جو مل کے بیٹھے ہیں
کوئی رشتہ بنائیں، ناممکن
ایویں حالات نے ملایا ہے

میں ہوں ٹھرکی، گناہگار ہوں میں
تم نہ چھلڑ کا انتظار کرو
لے چلو اب صلیب پر مجھ کو
یعنی بدلے میں مجھ سے پیار کرو
ایکسٹرا کیوں مجھے بنایا ہے

تیرا ابّا سنا رہا ہے کھری
اور مجھے نیند آئی جاتی ہے
کیا خبر تھی کہ اُس کی ہر دھمکی
لوری جیسے سنائی جاتی ہے
سن لیا اُس نے جو سنایا ہے

دو رباعیاں

احساس کی تضمین کا مرکز ہے یہ
بجتے ہوئے ہر ٹین کا مرکز ہے یہ
اب بزمِ سخن کو بھی سمجھ لیجے ظفرؔ
اِک باہمی تحسین کا مرکز ہے یہ

اَمراض سے دِل بڈھے کا بھرتا بھی نہیں
جو کام ہے کرنے کا وہ کرتا بھی نہیں
ورثا کو بھی کھائے چلا جائے یہی غم
بیمہ بھی کرا بیٹھا ہے، مرتا بھی نہیں

کام آئی کوئے یار میں پی آر شاذ شاذ
پڑتی رہی غنیم سے پھٹکار شاذ شاذ

بِل میں تو اُس کے نمبر نے پٹھہ بٹھا دیا
آتی تھی جس کی کالِ مزیدار شاذ شاذ

اِس بار کاٹنے کا اُسے شوق کیوں ہوا
بھونکا تھا پہلے وہ سگِ خونخوار شاذ شاذ

موقع ملا تو مجھ کو اڑنگی اُسی نے دی
جو مہرباں رہا بُتِ عیار شاذ شاذ

بجھتی رہی ہے تشنہ نگاہی کبھی کبھی
ملتا رہا ہے شربتِ دیدار شاذ شاذ

تکرار کے مواقع نکل آئیں روز روز
زوجین میں ہے پیار کا اظہار شاذ شاذ

آیا کبھی جو "بائے الیکشن" تو دیکھنا
کرتی ہے تیرے کام بھی سرکار شاذ شاذ

صد شکر کہ دوائیاں خالص نہیں رہیں
مرتے تھے ورنہ غم سے تو بیمار شاذ شاذ

زوجہ کے ہتھے چڑھ کے ہی نا معتبر نہیں
پنکی کے عشق میں بھی رہے خوار شاذ شاذ

آئے ہیں ناڑا باندھ کے ٹھسے سے بزم میں
پتلون پہنتے ہیں وہ گنوار شاذ شاذ

میک اپ نے اُن کو گل رو بنا رکھا ہے مگر
دیکھے وفورِ جذب سے گلنار شاذ شاذ

دیوان اُس کا ہو گیا من بھر کا کس طرح
لکھتا رہا ہے شعر ستمگار شاذ شاذ

وکٹ کیپر

وقت کا یہ باؤلر ہے یا کوئی طوفان ہے
حادثوں کے باؤنسر آتے ہیں رہ رہ کر ظفرؔ
کچھ بھی کر سکتے نہیں ہیں کیچ کرنے کے سوا
ہم کہ ٹھہرے زندگانی کے وکٹ کیپر ظفرؔ

عشقِ نو

ہیر رانجھے کا بھی چھکا نہ لگے
یہ سماجِ نو کا آساں کیچ ہے
داستانیں بننے کی فرصت کہاں
عشق بھی اب ٹی ٹونٹی میچ ہے

بگولہ لے اڑا میری غزل میں مبتلا کاغذ
سو میرے آگے آگے بھاگتا ہے پرکشا کاغذ

من و تو ہی بھلا بیٹھے ترے بچے مرے بچے
پتنگوں میں اڑا ڈالا ترا کاغذ مرا کاغذ

خدا معلوم کس کے نام خط ہے، کس نے بھیجا ہے
لگا ہے ٹنڈ پر آ کر جو پتھر سے بھرا کاغذ

ذرا سی دیر میں بارش میں بھیگا تو کھلا مجھ پر
کہ میں جس کرتے میں تھا، اس کا کپڑا تھا نرا کاغذ

بھلا کس جیب کترے نے اڑا لی ہے غزل میری
ارے کھیسے میں ٹھونسا تھا ابھی اچھا بھلا کاغذ

ہماری بار کس کم بخت کو میرٹ کی سوجھی ہے
نہ تیرے نوٹ کام آئے نہ میرا چل سکا کاغذ

بہت سوں نے دیا ہے مشورہ کھایا پیا کر کچھ
ہوا ہی لے اڑے ایسا بھی بن کر رہ نہ جا کاغذ

غزل کو سننے والے جائزہ لیتے ہیں رہ رہ کر
بڑا پرشور شاعر ہے، نہایت بے نوا کاغذ

یہی مجموعہ چھپوایا گیا تھا سونے کے بھاؤ
جو ردی والے کے ہاں ہے گرا کاغذ پڑا کاغذ

یہ کورا کورا کاغذ بھی کوئی مفہوم رکھتا ہے
نہ ہم نے کچھ لکھا اس پر، نہ اس نے کچھ پڑھا کاغذ

ظفرؔ اشعار میں لذت ہو نہ اسلوب میں جدت
تو پھر دیوان کا الجبرا ہے ”کاغذ بٹا کاغذ“

(پیروڈی: پی ٹی وی کا ایک معروف گیت، شاعر صابر ظفرؔ)

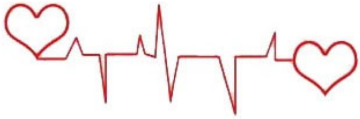

چین اِک پل نہیں
تے کوئی گل نہیں

کون چھوڑے ڈکار
میرا سانول نہیں

کیا اسمبلی کی بات
آج ہے کل نہیں

کہیں اوجھل ہے وہ
اور گوگل نہیں

ہے نومبر مگر
ناک جلتھل نہیں

کُٹ اُسے لگنی ہے کل کون سی تھاں، دیکھ لیا
اُس کولمبس نے حسینہ کا مکاں دیکھ لیا

اپنی مونچھیں سے ڈراتے ہیں عبث کہ جن کے
دست و پا دیکھ لئے، تاب و تواں دیکھ لیا

گڑبڑائے ہوئے ہے محفلِ خوباں کیا کیا
جسم کو تیر، نگاہوں کو کماں دیکھ لیا

شہر آ کر اُسے سوجھی ہے فقط کاوشِ عشق
اِک ’’گرائیں‘‘ نے یہی کارِ گراں دیکھ لیا

جانے کیا سوچ کے وہ بال بنانے لگ گیا
لڑکیوں کو لگا جیسے کوئی ''کاں'' دیکھ لیا

بڑی محنت سے چُنی ''بیستی'' کرنے والی
ہم نے اِس باب میں انبوہِ زناں دیکھ لیا

ہانڈی چولہے پہ دھری اور لیا موبائیل
بی پڑوسن نے مگر اُٹھتا دھواں دیکھ لیا

کیا کہوں آن کے ہانکے گا کہاں کی شوہر
کیا کہوں اُس کی سہیلی نے کہاں دیکھ لیا

ہائے کیا گالیاں بکتی ہے وہ پنجابی میں
حسن کو دیکھ لیا، حسنِ بیاں دیکھ لیا

بات کرتے ہوئے خاموش ہوا کیوں کیانی
کیا نکلتے ہوئے کانوں سے دھواں دیکھ لیا

دوباعیاں

اذہان پڑے پردوں کی خاطر تو نہیں
دِل دنیا کے بے دردوں کی خاطر تو نہیں
زوجائیں نہیں رہتیں میانوالی میں
مردان فقط مردوں کی خاطر تو نہیں

ہوں گیم میں اِن، کیا ہوا جو ٹیل میں ہوں
بیٹر[۱] ہوں میں اور عاشقی کے کھیل میں ہوں
اِتنی بھی نہیں میری پروفائل لو
ایڈہاک سہی رانجھے کے اسکیل میں ہوں

---

[۱] فلمی گانے لکھنے کے لئے پہلے سی دی گئی دُھن

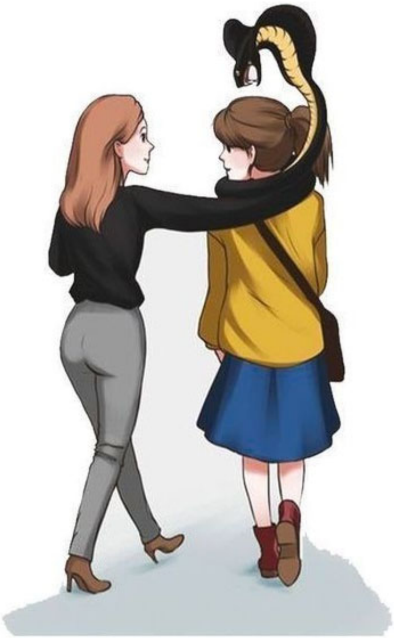

ظاہراً پیار کے بول ہونے لگیں
اور ہاتھوں میں پستول ہونے لگیں

یوں مرا جیت جانا تو ممکن نہیں
ووٹ بھوتوں کے بھی پول ہونے لگیں

عشق کا میچ ہے ہیر رانجھے کے بیچ
اور کیدو کے بھی گول ہونے لگیں

بو تھا غائب سہی دِل سے جاتے نہیں
دور جاتے ہوئے کول ہونے لگیں

عقد کے نام کونڈا چھڑوں کا رہے
مرغ اُڑنے لگیں، ''چول'' ہونے لگیں

ای۔ سی۔ ایل میں اگر دل کے وہ نہ گئے
جیسے عنقا ہے پٹرول، ہونے لگیں

عدل کی چیخیں سارا زمانہ سنے
پُلسیئے محوِ لترول ہونے لگیں

فوج کا یوں سیاست میں کیا کام ہے
رول چلنے لگے، رول ہونے لگیں

اُس کے بھائی سے پالا پڑے روز و شب
آپ مرہونِ برنول ہونے لگیں

بگڑی بگڑی سی اَقدار کو دیکھ کر
سارے بقراط بغلول ہونے لگیں

ڈرٹی ہیری سیاست میں ہیں پرفشاں
کیوں نہ حالات پُرہول ہونے لگیں

کمپنی کی کمائی ہو عشاق سے
چیٹ چلتی رہے، L O L ہونے لگیں

حسن میں جیسے روکھا بیانی سی ہے
یونہی میوے بھی نمکول ہونے لگیں

جب بھی شیخوں کی نیت پھسلنے لگے
تو فدایانِ ''کاجول'' ہونے لگیں

اب مؤرخ لفافی لفافی سا ہے
بے دھڑک کیوں نہ منگول ہونے لگیں

یوں بھی اِک دوسرے سے ملا نہ کریں
دونوں جانب سے لاحول ہونے لگیں

میڈیا کی ضرورت ہی اُن کو نہیں
جن کے تالو نِرے ڈھول ہونے لگیں

ذِکر ہے کیسے بے ہئیوں کا ظفرؔ
سارے اشعار بے ڈول ہونے لگیں

ڈک

کھیل کب پاتے ہیں ہم
جاتے ہیں، آتے ہیں ہم
ڈک تو اڑ سکتی نہیں
ڈک پہ اڑ جاتے ہیں ہم

شرطِ فتوحات

یہ نہیں ہے کہ ہمیں شوقِ فتوحات نہیں
آپ کو کیسے بتائیں کہ جو جی میں چاہیں
دیوزادوں سے تو کمپیٹ نہیں کر سکتے
جیتنے کے لئے کمزور سی ٹیمیں چاہیں

ٹھینگا ٹاکنگ شو تھا جس میں تو تو میں میں تھی ہی نہیں
وہ کاہے کا اینکر جس نے بونگی کوئی ماری ہی نہیں

دیکھے پارک میں دو دِل ملتے، محروموں کو ہوئی جلن
ایسے میں نزدیک سے گزرے تو کھانسی روکی ہی نہیں

ہائے کب ہوتا ہے مہیا، ہر مولانا کو حلوہ
اُس کو کیا تنکے کا طعنہ جس کی کوئی داڑھی ہی نہیں

سر میں اسرائیل بسا رکھا ہے لیکن لاحاصل
عرضِ دل پر کانوں میں تو کوئی جوں رینگی ہی نہیں

مل جائے کچھ کم ظرفوں کو تو کیا کیا اِتراتے ہیں
زور و زر کا مان نہیں تو پھر ڈرٹی ہیری ہی نہیں

ہم سے جو سرزد ہوئی ہے، غلطی کب غلطان ہے وہ
آپ نے جو فرمائی ہے وہ غلطی تو غلطی ہی نہیں

یہ اِک عمرانی وجدان کا حصہ ٹھہرا اپنے یہاں
وہ کیسا گنجا ہے، جس کے کھیسے میں کنگھی ہی نہیں

پالے جس کی ڈیٹنگ کو کیدو، وہ ہیرو رانجھا کہاں
جالے سگِ محبوب جسے، وہ عاشق کی دڑکی ہی نہیں

تم میں شعورِ قومی کیسا، سر ہی کسی کا نہ کھولا
خاک سیاست سے ہوشناسا، بحث تو تم نے کی ہی نہیں

آپ مرے اشعار پہ ہنس لیں لیکن غور بھی فرمائیں
سوچ کی دعوت بھی تو ہے اِس میں، یہ بس ہی ہی ہی نہیں

دو رباعیاں

افکار نے بالوں کو کیا فانی کہاں
اِس گنج سے بڑھ کر ہے پریشانی کہاں
جغرافیہ مشکوک ہوا صاحب کا
کیا جانئیے سر ہے کہاں، پیشانی کہاں

تقدیر جگانے لگی میری کیسی
ٹوٹی ہوئی اِس روڈ کی یہ بیدردی
جو بیٹھی ہے پیچھے میرے اسکوٹر پر
رہ رہ کے مجھے مار رہی ہے جپھی

(سلیم کوثر کی غزل کی پیروڈی)

اِس قدر رات گئے کون ملاقاتی ہے
ایسا لگتا ہے کہ مس کال کوئی آتی ہے
تُونے چاہا نہ کہا اور نہ کبھی خواہش کی
تیرے کوچے میں تو شامت ہی مجھے لاتی ہے
سنگی ساتھی پئے بریانی چلے آتے ہیں
ورنہ لاڑا تو اکیلا ہے جو باراتی ہے
کس قدر گھاؤ ہیں معلوم نہیں ہے کہ ابھی
اِن رقیبوں سے تو رشتہ ہی مکافاتی ہے
ہائے کیا لوگ تھے منہ کالا کیا میرے لئے
اور کہنے کو مرا کالا کلر ذاتی ہے
اِس نکاح نامے پہ شامت نے لکھا ہے مرا نام
تم سمجھتے ہو کہ یہ فیصلہ جذباتی ہے

وصل جاناں ہے ڈنر کا ماخذ
نیلے نوٹوں کے خطر کا ماخذ

بعض شرفاء کی شرافت دیکھی
سربسر جڑ سے ہے شر کا ماخذ

عقل دیکھی ہے وہیں آویزاں
اُن کا گھٹنا بھی ہے سر کا ماخذ

جیسے چونکہ ہے چنانچہ کا چچا
یوں اگر بھی ہے مگر کا ماخذ

ایسا بندہ بھی ہے مونچھیں اوڑھے
جو سراپا ہے گٹر کا ماخذ

ملک کو چارہ سمجھ بیٹھا ہے
ایک لیڈر کہ ہے خر کا ماخذ

کام کیا مجھ سے پڑا ہے آخر
اُس کا لہجہ ہے بٹر کا ماخذ

رن سے وہ رن ہے کہ توبہ توبہ
زندگانی ہے غدر کا ماخذ

چار سو بیسی کسی کی ٹھہری
بگڑے معنوں میں ہنر کا ماخذ

یک بیک کان پکڑ لیتا ہے
ایک دھڑکا سا ہے ڈر کا ماخذ

شرم آتی نہیں آتے آتے
چکنی مٹی ہے ظفرؔ کا ماخذ

تنبیہ

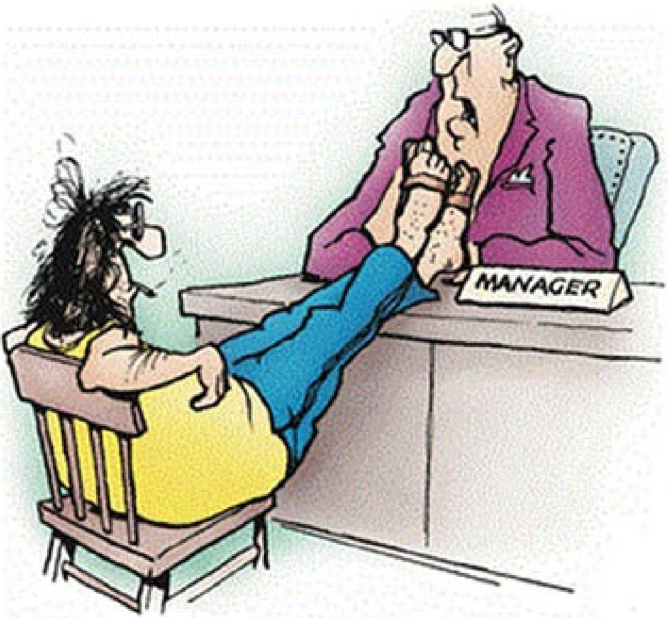

ہیڈ آفس سے سویرے خاص چٹھی آئی تھی
ہو چکی چھٹی تمہارے وڈے چچا جان کی
ماتحت ہو تم مرے
نیچے کر لو اب اِسے
اب تمہاری ٹانگ اِس ٹیبل سے اوپر نہ رہی

گلے پڑا جو کوئی عشوہ ساز یا استاذ
کرو گے ذیست سے کیا ساز باز یا استاذ

اِسی یقین میں مارے گئے تو کیا ہو گا
کہ دھوکہ دیتا نہیں سرفراز یا استاذ

وہ نوجوان ہے آئیڈیل بہت سوں کا
جو چھیل سکتا ہے آلو و پیاز یا استاذ

یہ اور بات کہ فن ہے کسی مشاطہ کا
وہ اپنے حسن پہ کرتے ہیں ناز یا استاذ

وہ کب سے نیٹ پہ ہیں تسخیرِ دو جہاں میں مگن
بڑے سکون سے، بیڈ پر دراز، یا استاذ

سب اونچے لوگ سمجھتے ہیں ان کو موم کی ناک
غریبوں کے لئے ہوتے ہیں laws یا استاذ

تلاشتے ہیں ائر پورٹ پر یونہی سیاح
گلی گلی میں ملیں گے جہاز یا استاذ

ٹریجڈی ہی ملے دو lover کے جیون میں
نہیں یہ عہدِ وفا کی کلاز یا استاذ

سخن میں رکھتے نہیں ہیں تکلفِ اوزان
جو فیس بک کے ہیں فیض و فرآز یا استاذ

(منصور آفاق کی غزل کی پیروڈی)

ٹوٹا میرے کھیسے میں کوئی تھا، اُسے کہنا
میں نے تو لگایا نہیں سُوٹا، اُسے کہنا
شب آگ لگا دی تھی ترے راگ نے سب کو
گھوما نہ تھا میٹر میرا تنہا، اُسے کہنا
دروازے پہ پہرے سہی گھر والوں کے لیکن
چھت سے بھی ٹپک سکتا ہے بندہ، اُسے کہنا
وہ جو ہے خوش انجام محبت کے سفر میں
مشکل ہے چھڑا بننا دوبارہ، اُسے کہنا
میک اپ سے ہے ممکن لب و رخ کی رینوویشن
ہر لڑکی کا چہرہ ہے ادھورا، اُسے کہنا
محبوب ہیں، کہہ سکتے ہیں کچھ بھی اُسے لیکن
اچھا مجھے لگتا ہے کمینہ اُسے کہنا

باعثِ خیر ہے اگر تعویذ
ہم دَبا دیں نہ تیرے گھر تعویذ؟

سب کی نظروں کو بد سمجھتے ہیں
چاہتے ہیں نظر نظر تعویذ

جوق در جوق شامتیں آئیں
جیسے کرتا ہو شہر بھر تعویذ

شعر چرکین کا لکھا ہوا تھا
سب سمجھتے رہے مگر تعویذ

لال پیلی دواؤں سے حاصل؟
کیوں نہیں لکھتے ڈاکٹر تعویذ

دین و دنیا سے ہو گئے فارغ
پیر جی کا ہے بس ہنر تعویذ

کس قدر ہیں مرے کرم فرما
مِل رہے ہیں اِدھر اُدھر تعویذ

مامن ازدواجیت ہے یہی
صبر ہے ایک معتبر تعویذ

کرلیں محبوب اپنے قدموں میں
”بابا کوڈا“ کے باندھ کر تعویذ

تیرے میرے لئے گھسیٹے ہیں
بڑے لوگوں کو بارور تعویذ

اقرباء نے بھی خوب کروائے
میرے گھر میں پئے غدر تعویذ

جذبِ دل پر یقین ہو تو بھلا
حسن پر کیوں کریں lover تعویذ

میرا ایمان کیوں خدا پہ نہیں
میرا ایمان کیوں ظفرؔ تعویذ

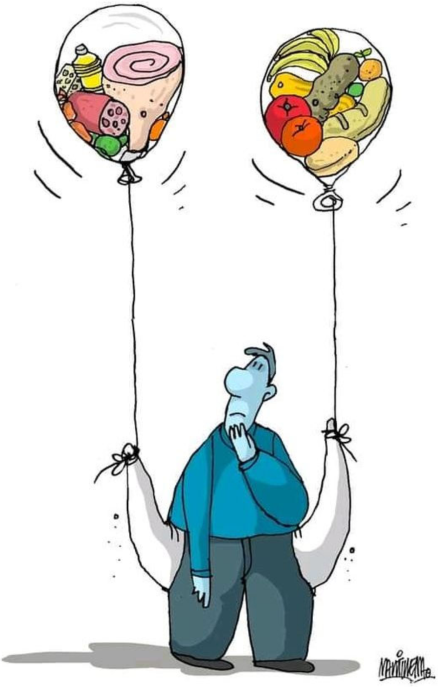

ٹاک شو

ادھ کھلی کھڑکی سے چالو ٹاک شو کو دیکھ کر
ایک کتا دوسرے کتے سے یہ کہنے لگا
معترض ہوتے چلے آئے ہیں ہم پر بے سبب
دیکھ لو ہم کتوں سے بھی بھونکتے ہیں یہ سوا

پرانی کار

کار نہیں کچھ خاص پرانی انیس سو اسی کی ہے
روڈ پہ جب بھی آتی ہے تو من کو مار کے آتی ہے
ریس بھلا کیا خاک دیں اس کو، کر دیتی ہے شرمندہ
جاگنگ کرنے والوں سے بھی اکثر ہار کے آتی ہے

شہر کو بچا

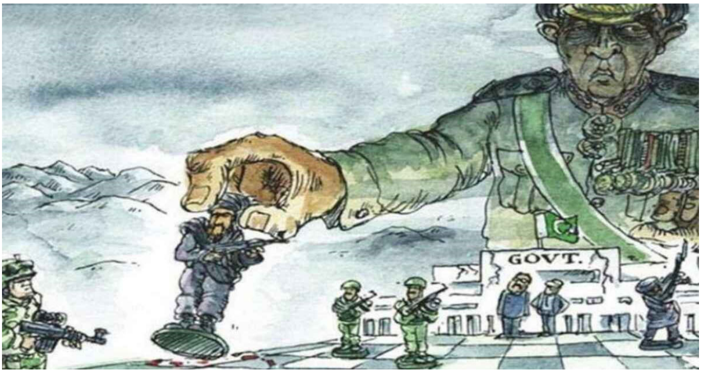

شورش بپا ہے خلق خدا، شہر کو بچا
کیوں بن رہا ہے چکنا گھڑا، شہر کو بچا

ڈیفینس ہاؤسنگ کی سکیمیں بجا نہیں
ڈیفینس تو ہے کام ترا شہر کو بچا

ایمیگریشن اپنا تو ہرگز نہیں علاج
تو اپنی جان ہی نہ بچا شہر کو بچا

سب تجھ سے چاہتے ہیں ترا رول آئینی
گچی پکڑ نہ سب کو دَبا شہر کو بچا

اَپنے نصاب کو ذرا عینک لگا کے پڑھ
دشمن کے بچوں کو نہ پڑھا، شہر کو بچا

سَب جانتے ہیں ضعفِ سماعت نہیں تجھے
سَب دے رہے ہیں تجھ کو صدا شہر کو بچا

ڈرٹی سویلین کے بھی تجھ پر حقوق ہیں
سُن لے ہماری آہ و بکا شہر کو بچا

آتش نہیں سگار جلانے کے واسطے
تجھ کو یہ راکھ کر دے گی، آ، شہر کو بچا

اپنی صفوں کو روندتا آیا ہے کس لئے
تو فیل ابرہہ تو نہ تھا شہر کو بچا

بڑھ بڑھ کے ہر کسی کو اڑنگی دِیا نہ کر
اپنی حدوں میں رہ کے ذرا شہر کو بچا

تُو اِس کا چوکیدار ہے تو چوکیدار رہ!
مالک نہ اِس کا خود کو بنا، شہر کو بچا

ذِمے ترے تحفظِ اربابِ شہر ہے
اِن کو مسل نہ اپنے دکھا، شہر کو بچا

نفرت کی آگ نارِ جہنم میں ڈھل نہ جائے
ہر دِن کو نو مئی نہ بنا، شہر کو بچا

ہنگامی صورتِ حال

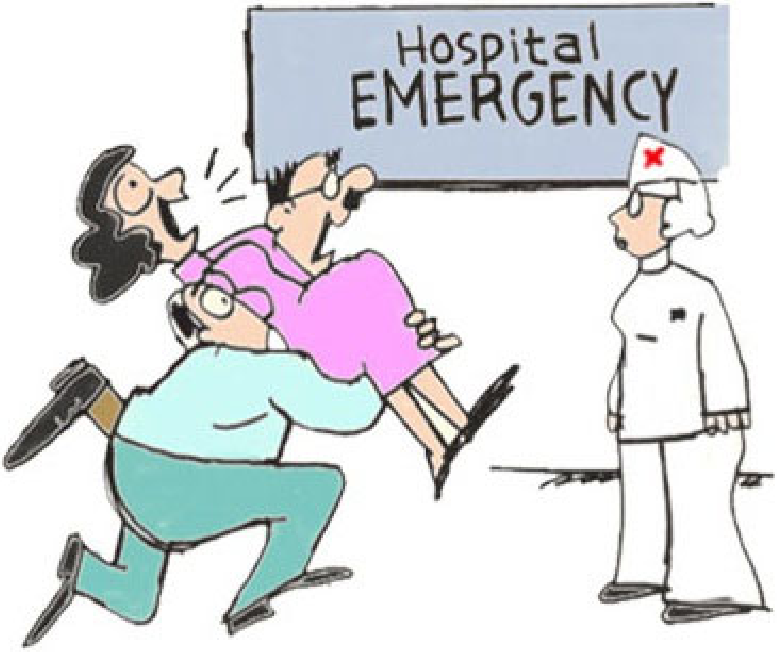

کل سے جاری رکھے ہے اک داستاں بیری مری!
بولے ہی جاتی ہے کب سے بے تھکاں بیوی مری!!
دیکھیے، کیا ہے وجہ!
ہوگیا ہے اِس کو کیا؟
بند کر پاتی نہیں ہے کیوں زباں بیوی مری!!!

تیرا کتا تو تند خو ہے وہی
تیرے کوچے میں کرفیو ہے وہی

کہاں بدلیں سیاستیں اپنی
غلغلہ ہائے ہاؤ ہو ہے وہی

جس نے اوروں کو لوٹ کھایا ہے
جملہ چیلوں میں تو گرو ہے وہی

میں نے چھیڑا انہیں کسی کو کبھی
اُس کا اصرار ہے کہ تو ہے وہی

ہر کُڑی کے دماغ میں ہے خلل
ایک دنیا میں خوبرو ہے وہی

وہ جو سب کو بھگائے پھرتا ہے
تیری محفل میں فالتو ہے وہی

جس کو مکھن لگانا آتا ہو
آج سسروں میں سرخرو ہے وہی

پار کر لے گیا ہے ساقی مئے
میکدہ ہے وہی، سبو ہے وہی

اب بھی ہر سال ہے نیا ماڈل
خانۂ شیخ مثل Z O O ہے وہی

”گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا“
دیکھ لو! حسرتِ نکو ہے وہی

(فلم طوفان کے گیت، شاعر سیف الدین سیفؔ کی پیروڈی)

آج یہ کس کو نظر کے سامنے پاتا ہوں میں
کیا خبر، نابینا ہوں، یہ کس سے ٹکراتا ہوں میں

کیا تمہیں وہ ”ایکس“ کی بارات یاد آتی نہیں
تم تو کہتے تھے چھواروں کی قسم کھاتا ہوں میں

آؤ اب ٹوٹی ہوئی تاروں کو آ کر جوڑ دو
برق ہو عنقا تو خود کو کب نظر آتا ہوں میں

تُو نہ رو میرے لئے جانِ تمنا تُو نہ رو
رونے کو بھاڑے پہ نوحہ گر ہی لے آتا ہوں میں

عشق کی لات

عشق کی لات پڑ گئی تھی ظفرؔ
سلسلہ کب کہیں پہ رکنا تھا
عمر بھر لڑھکیاں ہی کھائی ہیں
تیری چکناہٹوں پہ پھسلا تھا

تعلیمِ نسواں کا افادہ

پڑھ لکھ کے تو گنوایا ہے لیڈیز نے ظفرؔ
تعلیم نے اگر نہ کیا ماڈرن اِنہیں
کالج سے پڑھ کے آئی ہیں، کس کو بھلا خبر
کرنے نہ پائی جینز اگر زیبِ تن اِنہیں

آنکھیں دِکھلا کر معزز کب تلک بن پائے ژوژ
کوئی خاروں خار ہو تو کیوں نہ پھر کہلائے ژوژ

جب عوام الناس مکّو ٹھپنے پر آ جائیں گے
کام آئے گا عدُو کے ہائے ژوژ نہ وائے ژوژ

دوستی یاری ہوا کرتی ہے اپنے جیسوں سے
آ کے ”کن ٹُٹوں“ پہ ٹھہرے دیدۂ بینائے ژوژ

ہر کسی کو چٹکیاں بھرتی ہوئی ہر بات ہے
اِس قدر ’’چک مارتی‘‘ خصلت ہے کہ شرمائے ژوژ

ہاتھ نہ پکڑیں تو ہاتھا پائیاں کرتا پھرے
راستہ نہ روکیں تو سر پر ہی چڑھتا آئے ژوژ

جب کوئی گچی سے پکڑے اور بولے اب کہو!
کس طرح مظلوم نہ بولے گا ’’نائیس گائے ژوژ!‘‘

جب ہوس کا منہ کھلے تو بند ہو پاتا نہیں
کم نہیں ہو پاتی ہے پھر شدتِ سودائے ژوژ

جانور بننا تھا تو اِس کی کمی ہرگز نہ تھی
کس سے پوچھوں؟ کون بتلائے گا ہم کو؟؟ why ژوژ

خار پیکر، خار خصلت ہیں اُنھی جیسے ظفرؔ
یوں سمجھ لیجے کہ ’’ڈرٹی ہیری‘‘ کے ہیں تائے ژوژ

دو رباعیاں

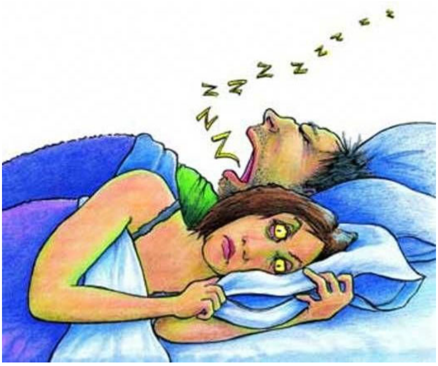

بیگم نے بتایا تو کہاں یہ مانے
سوتے میں لیا کرتے ہیں ہم خراٹے
لیکن بااوقات ہوا ہے یوں بھی
ہم اپنے ہی خراٹوں کو سن کر جاگے

کیا بھاگ بھری نکلی "پھجل" کی چھوری
بنتا ہے کہ سُن کر کہا جائے سوری
جو لے گئی لندن میں دلہا گاؤں سے
اُس دلہے کو اب لے اُڑی کوئی گوری

دوستوں کے آنے جانے کے لئے آتی ہے عید
عیدیاں دینے دلانے کے لئے آتی ہے عید

ہوگیا آزاد شیطاں، مشتری ہوشیار باش!
ریسلنگ تم سے کرانے کے لئے آتی ہے عید

عید کا دن، جانئیے، رمضان کا افطار ہے
ازسرِ نو گُل کھلانے کے لئے آتی ہے عید

زیست کو حسرت رہی اعمال کی عیدی ملے
کیا سوّیاں ہی کھلانے کے لئے آتی ہے عید

چاند کا قضیہ نہیں ہوتا ہے کوئی سال بھر
اِک نواں ہی چن چڑھانے کے لئے آتی ہے عید

دِل کا کہنا ہے، چلو آئی تو ہے تقدیر سے
عقل کی روں روں ہے، جانے کے لئے آتی ہے عید

حُسن کی چھل بل سے چُندھیائی ہیں آنکھیں عشق کی
پھر نئے چکر میں لانے کے لئے آتی ہے عید

کون بتلائے کہ کوئی وصل کے چکر میں ہے
وہ سمجھتے ہیں زمانے کے لئے آتی ہے عید

چودھری جی کو سیاست سے فراغت مل گئی
فیملی میں چودھرانے کے لئے آتی ہے عید

سامنے ہو مال تو کیوں صبر کا روزہ رہے
”مر بھُکا ہونے“ کے طعنے کے لئے آتی ہے عید

تاجروں کی نیّتیں قہرِ گرانی بن گئیں
گویا ہم کو آزمانے کے لئے آتی ہے عید

کچھ ترے ٹرانے کی ہوتی ہے تقریبِ سعید
کچھ مرے ظفرؔ آئے جانے کے لئے آتی ہے عید

عزم

روز کتے پیچھے لگوائیں گے ہم
سگ پرستوں کے گھروں سے دوستو
ڈاکیے کو خوب دوڑائیں گے ہم
”خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ تو ہو“

آزاد/آوارہ کتے

اس کی غلامی کو بتاؤ دوستی
ہر پالتو کو شوق سے پیارا کہو
لیکن کرو آزادیوں کا احترام
آزاد کتوں کو نہ آوارہ کہو

(فلم گمنام کے لئے لکھے گئے سیف الدین سیفؔ کے گیت کی پیروڈی)

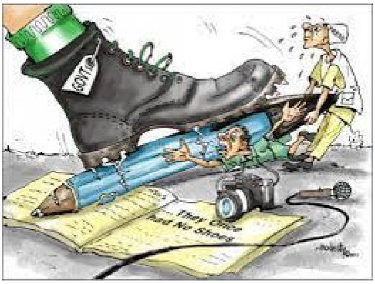

بوٹوں میں دھمال ہیں دھم دھم کے
تُو لاکھ چلے رے فوجی تھم تھم کے

تُو سام سے مل کر آیا ہے
بس آج سے عشق پرایا ہے
دیکھے گا سپنے اودھم کے
تُو لاکھ چلے رے فوجی تھم تھم کے

میں نے بھی کیا تھا پیار کبھی
اپنا تھا ساجھے دار کبھی
اب دیکھوں لپکے کم، گو، کے
تُو لاکھ چلے رے فوجی تھم تھم کے

اب جیون بھر تو بھوگ یرا
تو ہے جو جو کہیں گے لوگ یرا
چھوڑیں گے نہ ٹاپک کالم کے
تُو لاکھ چلے رے فوجی تھم تھم کے

بوٹوں میں دھمال ہیں دھم دھم کے
تو لاکھ چلے رے فوجی تھم تھم کے

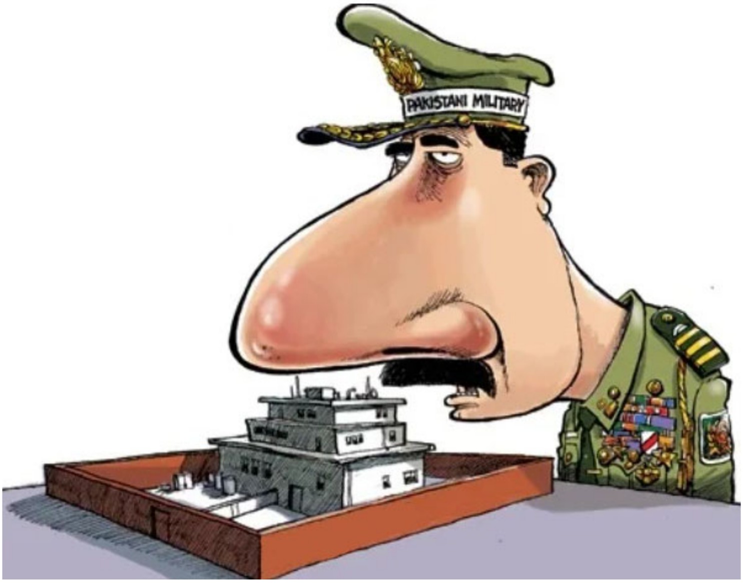
PAKISTANI MILITARY

ہوشیار باش

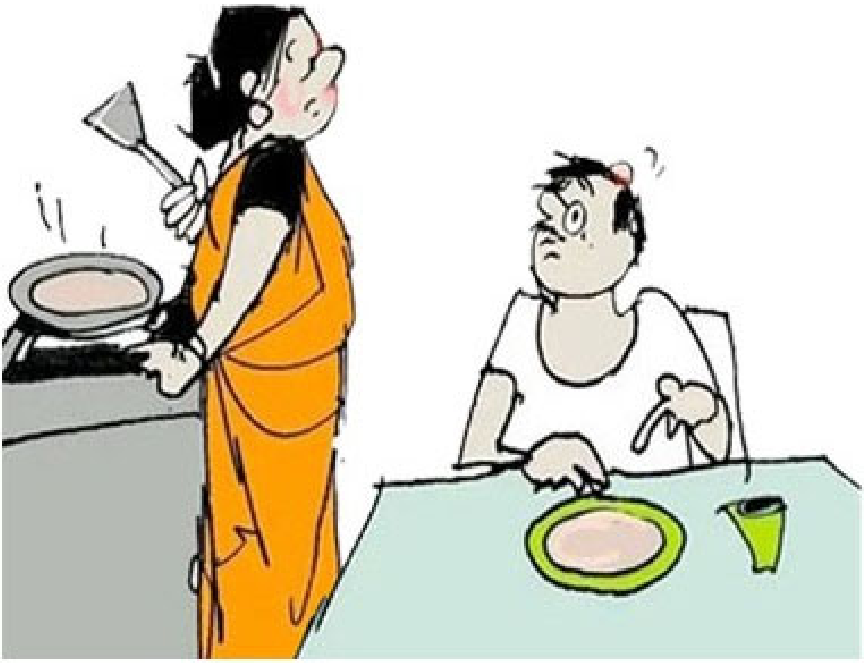

بسکہ گھر والی نے گرمی میں پکایا ہے تو
معترض کھانے پہ ہونے کی ہے جرأت کس کو
طنزیہ کیوں ہو بیاں
ایسا تو ہوگا میاں
آپ کی ٹانٹ پہ گومڑ نے تو دینی ہے ضو

جنہوں نے فیض نہ پایا محلہ داریوں سے بھی
پڑے ہیں جا کے وہ ”اسلام پورہ“ ناریوں سے بھی

ہمارے حکمرانوں نے جو ہم تم سے کیا لوگو!
ستم اِتنے تو ہو پاتے نہ تھے تاتاریوں سے بھی

جنابِ شیخ نے جن سے مناسب سمجھا مر جانا
شفا مل جانی تھی اُن کو اُنہی بیماریوں سے بھی

کڑی ناراضیوں نے کر دیا ہے اِس قدر پکا
مجھے نہ گدگدایا جا سکا کتکاریوں سے بھی

کھُلا لگتا رہا جن کو فراک و تنگ پاجامہ
سمٹ پاتی نہیں ہیں آج کل تو ساریوں سے بھی

گرانی نے تو سیدھا ماس خوروں کا گلا گھونٹا
اگرچہ کام تو چل سکتا تھا ترکاریوں سے بھی

بہت اوروں کو نالائق سمجھتے آئے ہیں لیکن
ہوئے عہدہ برا کب اپنی ذمہ داریوں سے بھی

نکالا نہ گیا بحران سے اپنی ثقافت کو
تری پاجامیوں سے بھی، مری شلواریوں سے بھی

ترے طرزِ سخن نے چیر ڈالا ہے مرے دل کو
ظفرؔ یہ کام تو ممکن نہیں تھا آریوں سے بھی

دو رباعیاں

ہنستا ہے جو کمزوروں پہ الُو سا لگے
اُس شخص کے سر میں تو مجھے بھوسا لگے
عینک میں جسے لگتا ہوں بجو کیانی
عینک جو اُتاروں تو وہ بجو سا لگے

حق سچ جو لکھا ہے وہ اچھالیں گے ہم
تقریبوں میں دنیا کو سنا لیں گے ہم
اِس وقت ہمیں جان کا خطرہ ہے مگر
رت بدلی تو ہر سانپ نکالیں گے ہم

(صابر ظفر کے لکھے ہوئے پی ٹی وی کے ایک گیت کی پیروڈی)

کبھی کبھی تو حیا کرو
ہمیں بھی لائک کیا کرو
پوسٹ تمہارے لئے ہی کی
ٹھینگا تو اِک دیا کرو
کبھی کبھی تو حیا کرو

گوناگوں بکواس ہماری
تیرے لئے ہے خاص ہماری
سدا رہے یہ ساتھ ہمارا
یہی ہمیشہ دعا کرو
کبھی کبھی تو حیا کرو

میری دفعہ کیوں گاں ہوئی گم
اِدھر اُدھر تو دیکھتے ہو تم
تیرے جیسا فیس بُکی ہوں
نظر کرم کی کیا کرو
کبھی کبھی تو حیا کرو

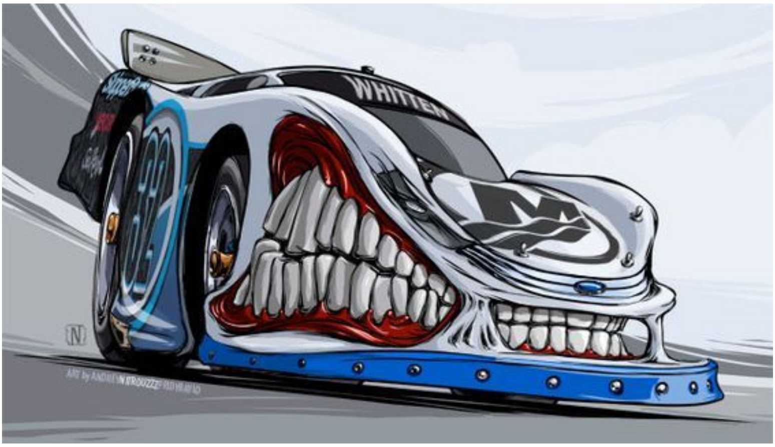

ویگو پر پھرتا ہے وڈیرا تیرا میرا
کیا ہو گا، کچھ سوچ میسرا! تیرا میرا

زور وزر والوں نے تو ہر چیز ہڑپ لی
کرنے کو تو کیا بہتیرا تیرا میرا

تو کن انکھیوں سے دیکھے، میں تاڑوں تجھ کو
ساتھ لگے بازار کا پھیرا تیرا میرا

لوگ اِسی کو قومی پرچم کہہ سکتے ہیں
تہمد کا لہرائے پھریرا تیرا میرا

اپنے بھی کرتوت بٹیرہ بازوں سے ہیں
فون تو ہے دراصل بٹیرا تیرا میرا

گھل مل رہیئے اور مجاہد پیدا کیجے
کیسا ہے یہ تیرا میرا تیرا میرا

ہاتھ میں آجائیں جو ہاتھ وہ ریشم جیسے
جیون بن جائے الویرا تیرا میرا

اپنا گھر اور اِس مہنگائی میں، ناممکن!
اب تو بس ہے نین بسیرا تیرا میرا

سوتے سوتے کس دنیا میں آنکلے ہیں
اسٹیشن تو تھا ناں بھیرہ تیرا میرا

ساٹھ برس ہوتے ہی کاٹ دیئے جاتے ہیں
سایہ ہو کتنا ہی گھنیرا تیرا میرا

رہ رہ کر ڈستے ہیں سارے یار ہمارے
سانپ نکالے کوئی سپیرا تیرا میرا

چوہوں جتنے کتوں سے ہی ڈر جاتے ہیں
کہنے کو ہے بدن چھریرا تیرا میرا

تو پھر فردِ جرم بھی عائد ہو ہم تم پر
جب ہے چوکیدار لٹیرا تیرا میرا

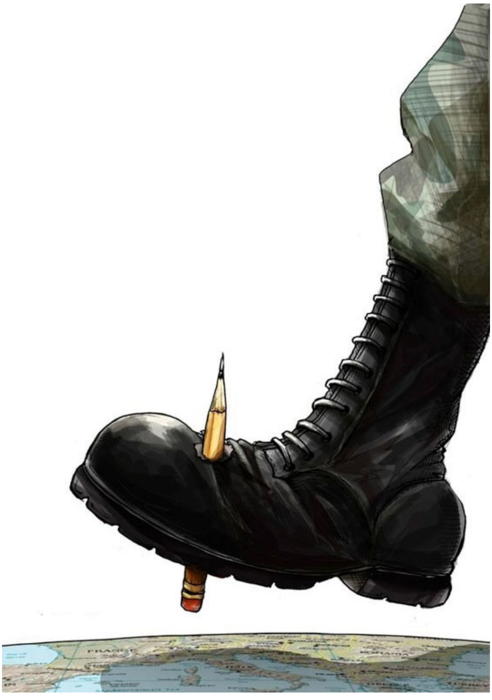

رشتوں والی باجی

غیر کے گھر آباد کراتی پھرتی ہے
اپنی خانہ آبادی کا پتہ نہیں
اور کے رشتے ناتوں پر ہے زور ظفرؔ
لیکن اپنی ہی شادی کا پتہ نہیں

ایتھلیٹ کتے

کوئی تو ہو جو اِن سے اِن کی ''بھونک زباں'' میں پوچھ سکے
کیوں بازار میں سب سے اپنا جوڑ بناتے پھرتے ہیں
ایسے بھی ایتھلیٹ کہاں کے ہیں یہ آوارہ کتے
ہر اِک چلتی گاڑی سے جو دوڑ لگاتے پھرتے ہیں

خاک بتائیں تیرا بوجھ
جن پر بھاری اپنا بوجھ

اُن کے اپنے ویٹ سے بھی
بڑھ کر ہے کچھ توند کا بوجھ

جس نے اثاثہ بننا تھا
وہ ہے اچھا خاصا بوجھ

جتنا پہلو بدلے گا
بڑھ جائے گا اتنا بوجھ

ہائے وہ لفٹر کہ جو اٹھائے
مُکھ پر میک اپ والا بوجھ

علم سے کچھ نہ پایا تو
کھوتے پر کیوں لادا بوجھ

عشق کا گٹھڑا پھینک دیا
کب تک ڈھوتے ایسا بوجھ

دھوپ سے ہیں چندھیائے ہم
ڈال رہا ہے سایہ بوجھ

پُرگو شاعر چیخ اُٹھا
جب دیوان کا ڈالا بوجھ

دو رباعیاں

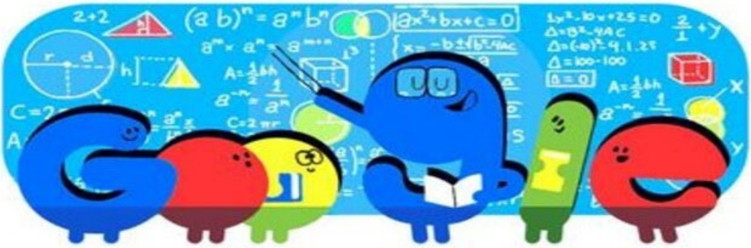

محبوبہ تھی، جب تک وہ رہی امکانی
لگتی نہ تھی ہرگز اُسے کم از ”جانی“
یہ راز کھلا اُس پہ ”شدہ“ ہونے پر
الھڑ سی وہ مٹیار ہے خصماں ”کھانی“

اِس جیسا تو استاد نہ دیکھا نہ سُنا
جو پوچھا ہے فی الفور بتایا ہے سدا
وِش کیجئے اِس کو بھی تو ٹیچر ڈے پر
گوگل بھی تو استاد ہمارا ٹھہرا

دہی اور دھوکہ دہی

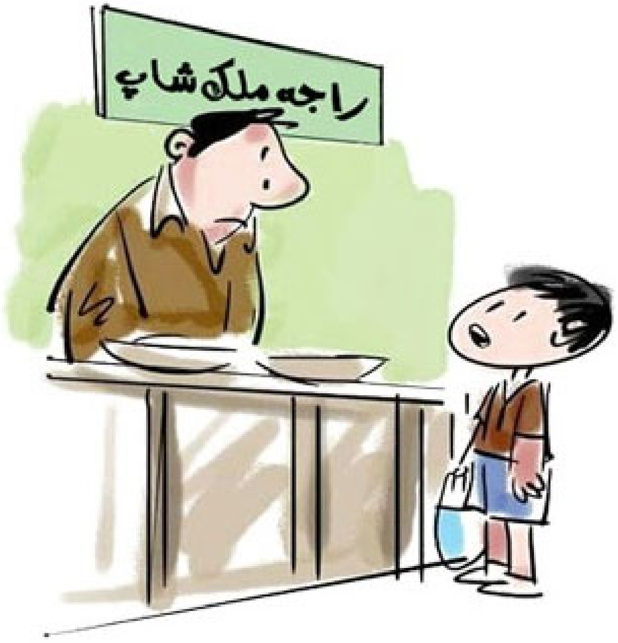

دور ایسا ہے کہ اصلی شے تو ملنے سے رہی
پھر بھی جو درکار ہے، دے دیجئے مجھ کو وہی
آج کل ہر چیز میں
ہے سیاست، کیا کہیں
دیجئے ایسی دہی جس میں نہ ہو دھوکہ دہی

غم بھلانا ہو تو پھر غمخوار سے کیجے رجوع
پان سے سگریٹ سے یا نسوار سے کیجے رجوع

سانڈ بن کر ہر درودیوار سے ٹکرائیے
ایسا کیجے ’’عالم لٹھ مار‘‘ سے کیجے رجوع

ایک زوجہ اِس قدر کر دے نہ مخبوط الحواس
بن کے فوراً مردِ مومن چار سے کیجے رجوع

وہ ہیں مائل بہ کرم اپنی سہولت دیکھ کر
آپ بھی پھر فرصتِ اتوار سے کیجے رجوع

کس لئے جاتے ہیں بہرِ وصل ریستوران میں
جس جگہ آئے نظر، دلدار سے کیجے رجوع

صنفِ نازک کے لئے شرم و حیا تھی کوئی شے
اِک ذرا بھولی ہوئی اقدار سے کیجے رجوع

اپنے کلچر کے اِشو خواجہ سرا سے پوچھئے
ایگریکلچر کے لئے سالار سے کیجے رجوع

انجمن میں ''ڈانسنے'' سے بھی ادھڑ سکتی ہے یہ
چھوڑئیے پتلون کو، شلوار سے کیجے رجوع

اِس سہولت کے لئے جانا پڑے گا جیل میں
دال دلئیے کے لئے سرکار سے کیجے رجوع

دوڑتا ہے کاٹ کھانے کو اگر امن و سکوں
اپنی گھر والی سے (تھانیدار) سے کیجے رجوع

تمغۂ تکریم کو وردی و کلغی ہے بہت
یا سیاست کے کسی فنکار سے کیجے رجوع

دو رباعیاں

یہ ”ڈرٹی سویلین“ تو نہیں نادانو!
نہ عمر، نہ میرٹ، نہ ہی شعبہ دیکھو
ہر ایک مشنری کا ہے پرزہ سمجھو!
ایکس آرمی افسر ہے، کہیں فٹ کر دو

بدنام ہے پھوکٹ میں ہمارا شیدا
رکھتا ہے ”بڑا صاب“ نشانہ سیدھا
جب تاڑ پہ آ جائے تو توبہ! توبہ!!
محفل میں ہے کتنا وہ ندیدہ، دیدہ

آپ نے کیسے بندے اپنے گارڈ بٹھائے گڑبڑ گڑبڑ
ہم کو لگے وہ اُلٹا آپ کی گھات لگائے، گڑبڑ گڑبڑ

بغلوں میں ہیں چھریاں خفتہ یا نظروں میں دشنہ دیکھا
کچھ بتلاؤ لگتا ہے کیوں ”نوبل گائے“ گڑبڑ گڑبڑ

رشتے ناتے سر چکراتے، نانی امّاں یاد دلاتے
اُف رے بابل سب کچھ گنجل، ہائے ری مائے گڑبڑ گڑبڑ

اوباشی کا گلہ کیا کرتے، سمجھانے کی مت کیا دیتے
چھورے کے تو آپ تھے سارے چاچے تائے گڑبڑ گڑبڑ

جس کے سنگ چلیں، وہ ٹانگ اَڑ کر پٹخی دے دیتا ہے
جس پہ بھروسہ کریں وہ ظالم بن بن جائے گڑبڑ گڑبڑ

کس سے پوچھیں قومی مسائل کا حل؟ کس کی بات ہے فیصل؟؟
عام عوام ہے گپی شپی، اہل الرّائے گڑبڑ گڑبڑ

ہم کو جال میں لاتے لاتے آپ وہ ہو کر رہ گئے ننگے
بسکہ ہم سے پہلے تو وہ خود کہلائے گڑبڑ گڑبڑ

گویا آگ لگی ہے اب کے دونوں اور برابر کیانیؔ
جیسے آپ ہیں گڑبڑ ویسے ہی ہمسائے گڑبڑ گڑبڑ

میں ٹھرکی ہوں، مرے ارمان کچھ زیادہ ہیں
صلاعِ عام ہے، مہمان کچھ زیادہ ہیں

وہ اونچا سنتا ہے جس کو سنانا چاہتا ہوں
اسی لئے میرے سر تان کچھ زیادہ ہیں

نکل نہ پایا تھا بھٹو تو کل کسی گھر سے
ہمارے دور میں عمران کچھ زیادہ ہیں

جو سر پہ پڑنی ہے، وہ اِس قدر نہیں لیکن
خطا جو ہونے ہیں، اوسان کچھ زیادہ ہیں

مرا نصیب کہ سارے رقیب ہیں "ڈِنگے"
دریدہ جیب و گریباں کچھ زیادہ ہیں

جو خیر چاہو تو کاغان بن کے اُن سے ملو
کہ وہ دماغ کے ملتان کچھ زیادہ ہیں

کرنٹ ملتا ہے اِن کو تمہارے جلوؤں سے
نظر کے بلب اگر آن کچھ زیادہ ہیں

برت رہا ہے وہ ہم سے بھی طوطا چشمی بہت
ہمارے ساتھ بھی پیمان کچھ زیادہ ہیں

مچھندروں کے سوا ہیں حقوقِ انسانی
کہ اس ضمن میں وہ انسان کچھ زیادہ ہیں

ظفر جی قیس نہیں ہیں کہ لیلیٰ پر ہی مریں
یہ ہر حسین پہ قربان کچھ زیادہ ہیں

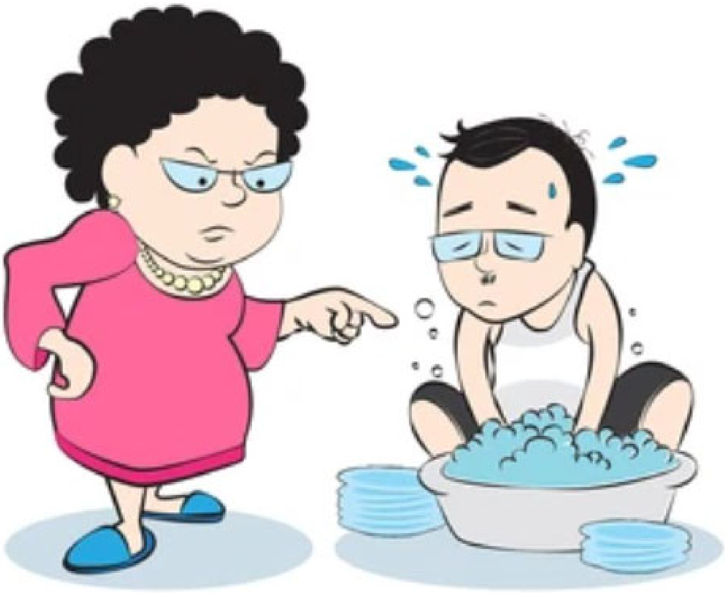

جیسے ساری دنیا میں ہوتا ہے تنگڑم کا نفاذ
تیرے میرے سب کے گھر ہے حکمِ بیگم کا نفاذ

مدعا معدے سے گزرے گا تو دل میں جائے گا
پارٹی میں چاہیے مرغِ مسلم کا نفاذ

جب سے گپ شپ کے لئے نائٹ کا پیکج آ گیا
میری سرشاری پہ ہے اک اور عالم کا نفاذ

--ق--

گھر کے کھانے پر اگر دے بیٹھیں رائے واشگاف
دیر تک سہنا ہے ناراضیٔ پیہم کا نفاذ

اور بیگم کی کوکنگ کی کیجئے تعریف تو
لنچ سے تا بہ ڈنر رہنا ہے شلغم کا نفاذ

منحنی سی بھیڑ کر لے زیر اڑیل سانڈ کو
بنتِ حوا پر کہاں ہے ابن آدم کا نفاذ

سلسلہ رشوت کا پہلے ٹاہواں ٹاہواں تھا مگر
اب تو ہر دفتر میں ہے امدادِ باہم کا نفاذ

سبز پرچم کے پھریرے کس لئے کھلنے لگے
کیوں ہے اب سیلوٹ پر امریکی پرچم کا نفاذ

ایک جوڑی سے بھی عاجز قوم سے ڈیمانڈ ہے
ملک پر ہو گنجوں کی ساری ہی البم کا نفاذ

عمر میں ہوں جونئر پر دمبدم کھوں کھوں کروں
اُن کے جیون پر ہے اب بھی اُن کی چھم چھم کا نفاذ

کس طرح کشمش کھلا پائیں چنبیلی باغ میں
خان صاحب پر بہت رہتا ہے خانم کا نفاذ

اِس طرح میری غزل اُس شوخ کے دل میں چھپے
جس طرح اخبار میں ہوتا ہے کالم کا نفاذ

ترجیحات

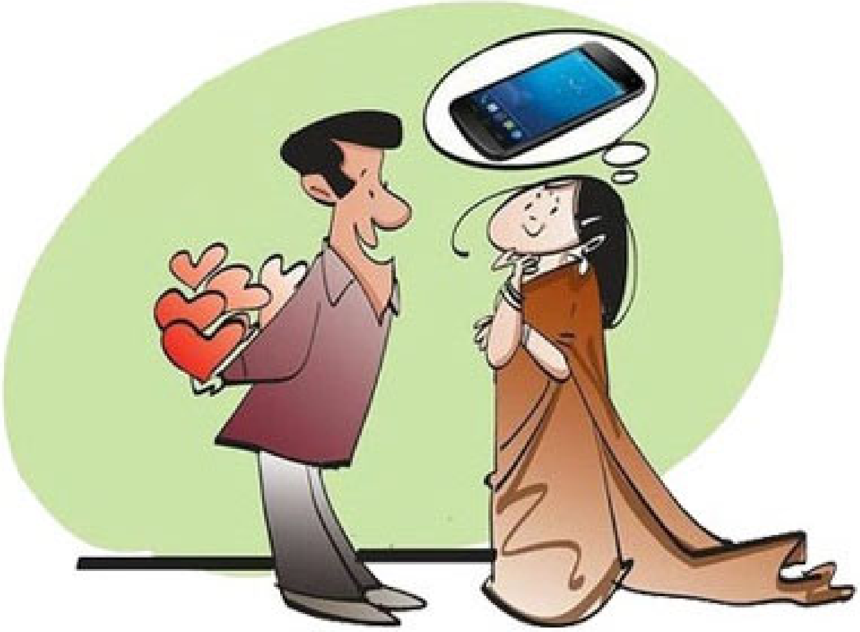

عشق کی الگ سی ہیں اب جذباتی ترجیحات
حسن کی بھی وکھری ہیں معشوقاتی ترجیحات
کوئی موبائیل چاہے
کوئی دِل پر ٹرخائے
ہر کسی کی ہوتی ہیں اپنی ذاتی ترجیحات

حسن ہے آلو بخارے کی مثال
عشق ہے سوکھے چھوہارے کی مثال

اِس قدر برتا حسیناؤں نے
دِل کا انجن ہے کھٹارے کی مثال

زیست ہے ایک کُڑّکی، جس میں
بھائی چارہ بھی ہے چارے کی مثال

اُس نے کاغذ پہ بنایا ٹھینگا
اور کیا دیتا کنوارے کی مثال

تجھ سے تجویز کیا مانگیں، توبہ!
تیری آراء بھی ہیں آرے کی مثال

قیسِ نو کے سبھی وعدے قسمیں
لیڈرِ قوم کے لارے کی مثال

چھاؤنی کوئی جوؤں کی ہو گی
اُس کا سر بھی ہے تمہارے کی مثال

یہ تو ہے قد کو بڑھانے کی trick
تیرا جوڑا ہے منارے کی مثال

دعوتِ وصل کسی نے دی ہے
گونگے بہرے کے اشارے کی مثال

کب سے قابض ہے وہ میرے دل پر
یہ بھی ہے خوب پتھارے کی مثال

جو بھی لیڈر ہے، مداری ہے ظفرؔ
اب سیاست ہے بھپارے کی مثال

نامعلوم

اِتنے کانے ہوئے ہیں نامعلوم
اب تو طعنے ہوئے ہیں نامعلوم

سب کے دیکھے ہوئے ہیں اَن دیکھے
سب کے جانے ہوئے ہیں نامعلوم

صاف گندم کا گھن دکھائی دے
اِتنے چھانے ہوئے ہیں نامعلوم

یونہی گھس بیٹھئے نہیں ہیں ہرسو
تانے بانے ہوئے ہیں نامعلوم

لال جمہوریت کی ہے تشریف
تازیانے ہوئے ہیں نامعلوم

قوم اور دشمنانِ قوم کے بیچ
درمیانے ہوئے ہیں نامعلوم

قوم انجان تو نہیں اِس سے
جو بھی ٹھانے ہوئے ہیں نامعلوم

جاں کو آیا مچھندروں کا اکٹھ
چند دانے ہوئے ہیں نامعلوم

مافیا بنتا جاتا ہے عفریت
کچھ گھرانے ہوئے ہیں نامعلوم

یہ اثاثے بتاتے ہیں ان کے
کیوں دوانے ہوئے ہیں نامعلوم

---ق---

میرا ہی نقدِ جاں لگایا ہے
تو فسانے ہوئے ہیں نامعلوم

اور کیا ظلم ہے، وہی توپیں
مجھ پہ تانے ہوئے ہیں نامعلوم

کیلکولیشن گئی ہے کھوہ کھاتے
”مِس پلانے“ ہوئے ہیں نامعلوم

قوم کا دھیان تو بٹا نہ سکے
بے دھیانے ہوئے ہیں نامعلوم

جن کے لیکھوں میں ”گو“ ہی لکھا ہے
وہ سیانے ہوئے ہیں نامعلوم

بند اُس کی بولتی ہے، یہ تاثیرِ نطق ہے
ٹھنڈا ہے وہ، یہ گرمیٔ تقریرِ نطق ہے

لگتا ہے بدزبانی کے شوقین ہو بہت
تم کو بھی عارضۂ بواسیرِ نطق ہے

ایسی کسی نے بونگیاں ماری نہیں کبھی
اِس واسطے تو چار سو تشہیرِ نطق ہے

شوہر کا ہے بیان تو گونگے کی رمز ہے
بیوی کی ہے زبان تو شمشیرِ نطق ہے

اُکتا کے اُس نے اپنا ارادہ بدل لیا
یہ نامرادی باعثِ تسخیرِ نطق ہے

پھبتی مری زبان پہ "بوتل" کی آ گئی
نظّارہ تیرے حسن کا نخچیرِ نطق ہے

حسنِ زباں کے واسطے سیمنٹ نہ کنکریٹ
اہلِ وفا ہیں مستری، تعمیرِ نطق ہے

سسروں کی مملکت میں کمائی حیات کی
بس افتخارِ تمغۂ تقصیرِ نطق ہے

بیوی کے آگے بولتی شوہر کی بند ہے
ہندوستاں کی قید میں کشمیرِ نطق ہے

سچ بولنے کے واسطے منہ پھاڑنا بجا
جاگیردار ہوں مری جاگیرِ نطق ہے

منہ کھولتے وہیں ہیں جہاں بولنا نہ ہو
کچھ بیوقوفوں کے لئے تعزیزِ نطق ہے

بازارِ صوت و ساز ہے، بونگوں کا شور ہے
تقریرِ خامشی ہے نہ تحریرِ نطق ہے

اعداء کو دھڑم کرنا، اللہ کرم کرنا
”ہُن دوجا ای کم کرنا“، اللہ کرم کرنا

لائق کرم اپنے کرتوت نہیں، پھر بھی
تجھ کو ہے قسم کرنا، اللہ کرم کرنا

جائیں تو اماں میں ہوں، آئیں تو ترے سائے
go کرنا یا come کرنا، اللہ کرم کرنا

توفیق ہمیں بھی ہو جاناں کے محلے میں
پینگے ذرا کم کرنا، اللہ کرم کرنا

آتا تو ہمیں بھی ہے، سسروں کی خوشامد سے
جیون کو اِرم کرنا، اللہ کرم کرنا

ہے تھوتھے چنے کی خو، پھیلانا بہت تالو
لہجے کو drum کرنا، اللہ کرم کرنا

عادت ہے ہماری تو ہر ایک نظریے کو
غرقابِ شکم کرنا، اللہ کرم کرنا

اُس شوخ کا حسنِ تر ہر دل میں پھٹے جا کر
اِتنا بھی نہ بم کرنا، اللہ کرم کرنا

بیمارِ محبت ہوں، عشاق کے ناموں کو
پڑھ پڑھ کے ہے دم کرنا، اللہ کرم کرنا

لو بیٹھ گئے مَل کے تشریف پہ ایلفی وہ
کاہے کو اودھم کرنا، اللہ کرم کرنا

بھاشن

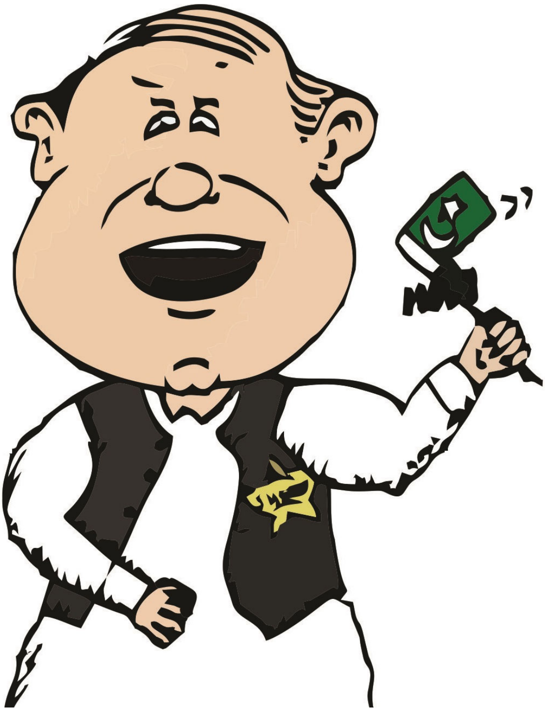

چور رستوں سے آنے والوں کو
پیدل از عقل ہی دِکھی ہے قوم
اُن سے جمہوریت پہ سن کے بیاں
وائبریشن پہ لگ گئی ہے قوم

مشتری ہوشیار باش

کتاب کا نام	لائق سینسر۔
شاعر	نوید ظفر کیانی۔
وضاحت	یہ نوید ظفر کیانی کے طنز و مزاح پر مشتمل مجموعۂ کلام ہے جسے برقی کتاب کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔
کاپی رائٹ	جملہ حقوق بحق شاعر محفوظ۔
اِجازت	اِس کتاب کو حوالہ جات یا غیر کاروباری نقطۂ نظر سے استعمال کیا جا سکتا ہے یا اِس کا اشتراک کیا جا سکتا ہے تاہم اِس میں کسی قسم کی کانٹ چھانٹ یا اس کی شکل تبدیل کرنے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ اِس کے لئے شاعر کی پیشگی اجازت ازحد ضروری ہے۔
صفحات	۲۰۲
سالِ اشاعت	جنوری ۲۰۲۴ء
ہدیہ	دعائیں۔
پبلشر	مکتبۂ ارمغانِ ابتسام۔ اسلام آباد، پاکستان۔
برقی ڈاک	nzkiani@gmail.com
ارکائیو ربط	archive.org/details/@nzkiani

نوید ظفر کیانی

کی شعری پونجی

مجموعۂ کلام

- جہانِ دگر
- اور بارش ہو
- میں اور چراغ
- تخلیئے کے رنگ
- رنگ و بو کے چھینٹے
- بھید خموشی کا

طنز و مزاح

- ڈنکے کی چوٹ
- ڈھول کا پول
- کھری کھری
- ارے
- دگڑ دگڑ
- کچھ میٹھا ہو جائے
- قلم مستیاں
- فرازیالوجی
- سخن کی خارش
- ایسی کی تیسی
- لائقِ سینسر
- بول میری مچھلی (زیرِ طبع)
- شاعری سموسے والی (زیرِ طبع)
- کھنڈ مکھانے (زیرِ طبع)
- اِدھر اُدھر (زیرِ طبع)

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام